الرحمٰن فسئل به خبيرا (القرآن)

ترجمہ: "رحمٰن کی شان کسی باخبر سے پوچھو"

التحقیق فی التوحید

تالیفِ لطیف

مسیح الامۃ حضرۃ مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب دامت فیوضہم

خلیفہ ارشد

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

مکتبہ فیض اشرف ماڈل ٹاؤن لاہور / پاکستان

الرحمٰن فسئل به خبیرا (القرآن)

ترجمہ: "رحمٰن کی شان کسی باخبر سے پوچھو"

التحقیق الرشید

تالیف لطیف

مسیح الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب دامت فیوضہم

خلیفہ ارشد

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

مکتبہ فیض اشرف ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

نام کتاب ———— التوحید الحقیقی

وعظ ———— مسیح الامۃ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خانصاحب
مدظلہ جلال آباد۔ مظفر نگر (یو-پی)

سرورق ———— عبدالرشید قمر

زیر نگرانی ———— وکیل احمد صاحب شیروانی

سن طباعت ———— ۱۴۱۱ھ

تصحیح ———— مولانا امداد اللہ صاحب مدرس دارالعلوم اسلامیہ لاہور

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ فیض اشرف، بیت الاشرف ۷۸/A ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲) دفتر مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

(۳) ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور

(۴) ادارہ تالیفات اشرفیہ، ہارون آباد بہاول نگر

(۵) مکتبہ امدادیہ بیت الاشرف، باغ حیات، سکھر

(۶) ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

پیش لفظ

یہ "التوحید الحقیقی" جو رسالہ کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے مسیح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی دام ظلہم خلیفہ ارشد حکیم الامۃ، مجدد الملۃ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک معرکۃ الآراء وعظ ہے جو آپ نے کسی جگہ بیان فرمایا تھا، یہ وعظ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ توحید کے اوپر بہترین تقریر ہے۔ ایمان کو تازہ کرتی ہے۔ مومن کے لئے نادر تحفہ ہے، واعظین و مقررین کے لئے عجوبہ روزگار ہے۔ سخت سے سخت سنگدلوں کو اس کا پڑھنا یا سننا موم بنا دیتا ہے اور معاندین توحید کو راستہ دکھاتا ہے، نہایت سادگی کے ساتھ وہ دلکش و دل پسند بیان ہے کہ جس کو پڑھ کر ہر شخص معبود حقیقی کی طرف رجوع کرنے پر بے اختیار مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر مسلمان کو عموماً اور مقررین و واعظین حضرات کو خصوصاً اس کا بار بار مطالعہ کرنا اور حرز جان بنانا چاہیئے۔

وکیل احمد غفرلہ

بیت الاشرف، ۷۸/A ماڈل ٹاؤن لاہور

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ !
یہ سب امداد کے لُطف و کرم تھے !

از

حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ ورسولہ و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ وصوم رمضان والحج۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا ہے۔ اوّل اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، دوسرے نماز کا پابندی سے ادا کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے رمضان شریف کے روزے رکھنا، پانچویں حج کرنا۔

اسلام کے بنیادی ستون

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اسلام پانچ بنیادی چیزوں پر قائم کیا گیا ہے، پہلے اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، دوسرے نماز کا پابندی سے ادا کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے رمضان شریف

کے روزے رکھنا، پانچویں حج کرنا۔

ترجمہ سے ہی آپ حضرات کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جب کسی شے کی بنیاد چند چیزوں پر قائم کی جائے تو اُس وقت وہ شے اور وہ تعمیر، کامل و مستحکم، قابلِ وثوق اور لائقِ اطمینان سمجھی جاتی ہے ورنہ اوہامِ مختلفہ اور خیالاتِ منتشرہ زندگی کو تلخ بنائے رہتے ہیں، تو پھر ان اصولِ مسلمہ اور مقدماتِ معلومہ سے اسلامی بنیادوں میں کیوں نہیں کام لیا جاتا، اگر اسلام کی ایک بنیاد بھی کم یا کمزور ہو جائے تو اُس شخص کا اسلام متزلزل اور ناقص ہو گا نہ کہ کامل اور قوت بخش، ارشادِ نبوی ہے۔

نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ	ہم ایسی قوم ہیں کہ جس کو اللہ تعالےٰ
بِالْاِسْلَامِ۔	نے اسلام کے ساتھ عزت بخشی ہے۔

اسلام کی یہ پانچ بنیادی چیزیں ہیں جب ان میں رسوخ اور پختگی حاصل ہو جائے تب وہی جاہ و جلال، عزت و حشمت نصیب ہو گی اور کامل مسلمان کہلائے جائیں گے اور باعزت بن کر زندگی بسر کر سکیں گے کیونکہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ کی صدا دی جا چکی ہے، مسلمان جو دوسری زندگی (آخرت) کا بھی قائل ہے اور اعتقاد رکھتا ہے اس کا اسلام کی پانچوں بنیادی چیزوں کو مضبوط پکڑنا اور ان پر استقامت سے جمے رہنا اوّلیں فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا	اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو تم سب جمعیت کے ساتھ پکڑو

اور وہ سلسلہ یہ اسلام ہی ہے کہ جس پر جمنے کی تعلیم دی گئی۔ پس کامل مسلمان بننے کے لئے، عزت وجاہ کے ساتھ رہنے کے لئے۔ دونوں جہاں میں اطمینان اور تعیش کی زندگی پانے کے لئے، اور احکم الحاکمین کی حقیقی رضا وخوشنودی نصیب ہونے کے لئے بالتفصیل ان پانچوں چیزوں کا معلوم کرنا اور ان کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور یہی زندگی کا درسِ اولیں ہے۔

اصل الاصول

ان اصولوں میں سے پہلا اصول کلمۂ شہادت یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہے۔ یہ اصل الاصول اس لئے ہے کہ یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ دین کے اندر مختلف اجزاء ہیں، بعض اصول ہیں بعض فروع، پھر اصول میں بھی ایک اصل الاصول دوسرے اصول، اور یہ کون نہیں جانتا کہ اصول فروع پر مقدم ہوتے ہیں اور اصول میں بھی جو اصل الاصول ہے وہ سب پر مقدم ہوتی ہے، بس یہی اصل الاصول تمام اصول اور فروع کا موقوف علیہ ہوتا ہے، جس نے اس کو قبول کر لیا اسی کو مسلمان کہا جاتا ہے۔

غرضیکہ سب سے پہلی چیز، کہ جس کے بغیر کوئی خیر مقبول نہیں، کوئی عبادت نافع نہیں، کوئی طاعت موجبِ قربِ خداوندی نہیں، وہ دینِ محمدی اور مذہبِ اسلام ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ط — دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے

نیز ارشادِ باری ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔
(پ۳ سورہ آل عمران)

جو شخص علاوہ اسلام کے کسی دوسرے مذہب کو طلب اور تلاش کرے گا (تو وہ دوسرا دین اور دوسرا مذہب اس کا) ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اسلام اور ایمان کا درجہ

یہ درجہ اسلام اور ایمان کا ایسا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا عمل کرے لیکن مسلمان نہ ہو تو وہ عمل کچھ بھی نہیں، کوئی لاکھ مجاہدے اور ریاضتیں کرے مگر مسلمان نہ ہو تو کچھ بھی نتیجہ نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔
(پ۱۲ سورہ ہود)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے کچھ نہیں، اور دنیا میں جو کچھ بھی کیا وہ سب بے کار اور باطل ٹھہرے گا۔

اس سے آپ حضرات کو اسلام کی فضیلت کا درجہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ اصول و فرائض میں سے کس درجہ کا فرض ہے کہ جس کے بغیر نجات ہی نہیں، نہ کامل نہ ناقص۔ یہ تمام اعمال و فرائض میں سب سے بڑی نعمت ہے مستحبات و سنن کے ترک سے تو عتاب ہے اور عتاب کا نہ ہونا بھی ممکن ہے اور فرائض و واجبات کے ترک سے عذاب ہے گو ممکن ہے کہ بدون عذاب مغفرت ہو جائے۔

اسلام وایمان

مگر اسلام اور ایمان ایسا فرض ہے کہ اس کے نہ ہونے سے بدوں عذاب کے نہیں رہ سکتا، اس پر عذاب لازمی ہے اور وہ بھی دائمی ابدالآباد کے لئے جو کبھی منقطع نہ ہوگا کیونکہ اسلام وایمان کا نہ ہونا کفر وشرک ہے اور کفر وشرک کے بارے میں ارشادِ باری ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ ۔ (پ۵ سورۃ نساء) درحقیقت اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے مشرک کو اور اس کے علاوہ سب کی مغفرت فرمادیں گے۔

اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس میں تو مشرک کے نہ بخشنے کا ذکر ہے کافر کا نہیں بعض کافر ایسے ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام سے انکار کرتے ہیں، ان کے نہ بخشے جانے کا اس آیت میں کہاں ذکر ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو کفر کہتے ہی اس کو ہیں جو خلافِ اسلام ہو خواہ اس کے ساتھ شرک ہو یا نہ ہو، دونوں کے لئے سزا وہی ہے اور دوسری جگہ کفار کے لئے بھی ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ۔ (پ۳۰ سورہ بیّنہ) جو لوگ اہل کتاب ومشرکین سے کافر ہوئے وہ آتشِ دوزخ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

اس میں کافروں کو اہل کتاب ومشرکین کے برابر قرار دیا ہے اور اُن کے لئے بھی خلودِ جہنم کا ذکر کیا، اور یہ شبہ کرنا کہ خلود بمعنی زیادہ دیر ٹھہرنے

کے ہے جس کے لئے دوام لازم نہیں۔ تو یہ درست نہیں، کیونکہ کلام واحد میں ایک لفظ میں جدا جدا معنیٰ کا قصد منع ہے، جب مشرک کے لئے دوام ثابت ہے تو کافر کے لئے بھی دوام ثابت ہوا کیونکہ اس آیت میں دونوں کا حکم مذکور ہے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے (دوسروں کو) روکا اور پھر وہ کافر رہ کر (ہی) مر گئے، سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا۔ (پ۲۶ سورہ محمد)

پس کافر کا بھی ہمیشہ کے لئے معذب ہونا صاف طور پر معلوم ہوا جس سے کفار کی مغفرت نہ ہونا بھی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

جرم و سزا کا تناسب اور ایک شبہ کا جواب

بعض لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ شریعت میں کفر کی سزا دائمی کیوں ہے؟ حالانکہ سزا مناسب جرم ہونی چاہیئے جرم تو محدود ہے اور سزا غیر محدود، مثلاً ایک کافر کی عمر پچاس برس کی ہوئی، اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو جرم تو اس نے پچاس برس کیا اور سزا ملے گی غیر محدود جو پچاس برس سے کہیں زیادہ ہوگی اس کی کیا وجہ ؟

جواب

یہ تسلیم ہے کہ سزا جرم کے مناسب ہونی چاہیئے مگر تناسب کے یہ معنی کسی کو تسلیم نہیں کہ جرم و سزا دونوں کا زمانہ مساوی ہو ورنہ چاہیئے

کہ ڈاکو کو دو گھنٹے تک ڈاکہ زنی کی سزا حاکم صرف دو گھنٹے کی دے، حالانکہ ایسا کرنے پر کوئی شخص حاکم کو منصف نہ کہے گا، اس سے معلوم ہوا کہ سزا و جرم کا یہ مطلب ہی نہیں کہ دونوں کا زمانہ مساوی و مناسب ہو، بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ سزا میں شدت بقدرِ شدت جرم ہو، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بہت سے افعال میں نیت کو بھی بڑا دخل ہے۔ صرف ظاہری صورت پر جزا و سزا کا مدار نہیں۔ جیسے ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے اس پر کوئی گناہ نہیں گو صورتِ گناہ موجود ہے مگر چونکہ اس کی نیت شراب کی نہ تھی اس لئے یہ جرم نہیں، بخلاف اس شخص کے کہ شراب پینے کے ارادہ سے دکان پر جائے اور دکاندار بجائے شراب کے شربت دیدے اور یہ اس کو شراب سمجھ کر پی لے تو گناہ ہوگا کیونکہ نیت شراب پینے کی تھی۔ یا جیسے کوئی شخص اندھیرے میں کسی عورت کو اجنبی سمجھ کر اس سے صحبت کرے اور ہو وہ اس کی بیوی تو وہ گنہگار ہوگا، اسی طرح بیوی کے ساتھ صحبت میں اجنبیہ کا تصور کر کے لذت لے گا تب بھی گناہ ہوگا آخر یہ کیوں گنہگار ہوا؟ اسی لئے کہ نیت اجنبیہ کی تھی، گو صورت گناہ کی نہیں بخلاف اُس کے کہ شبِ زفاف میں بجائے اپنی بیوی کے دوسری عورت سے غلطی سے صحبت ہو گئی تو شوہر کو کوئی گناہ نہ ہوگا یہ وطی بالشبہ ہو گی اور نسب ثابت رہے گا، عدت لازم آئے گی، اسی طرح یہاں سمجھئے کہ گو کافر کا کفر محدود ہے مگر چونکہ اس کی نیت ہمیشہ کی تھی کہ اگر میں ابدالآباد تک زندہ رہا تو اسی حالتِ کفر پر رہوں گا۔ لہٰذا اُس کو

اپنی نیت کے موافق دائمی عذاب ہوگا، اسی طرح مسلمان کا اسلام بظاہر محدود ہے مگر اس کی نیت یہ ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو ہمیشہ اسلام پر ہی رہوں گا اس لئے اس کو اس کی نیت کے موافق جزا ملے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہے گا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ کفر سے حقوقِ الٰہی فوت ہوتے ہیں اور حقوقِ الٰہی غیر محدود ہیں لہٰذا اُن کے فوت کرنے کی سزا بھی غیر محدود ہونی چاہیئے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اگر ایک شخص نہایت لائق ہو جس کو تمام کمالات اعلیٰ درجہ کے حاصل ہوں مگر ساتھ ہی اس کے باغی بھی ہو اس کی سزا سب جانتے ہیں کہ کیا ہونی چاہیئے، ظاہر ہے کہ پھانسی ہے یا عبور دریائے شور یا حبس دوام، مگر آج تک کسی فلاسفر کو بھی اس پر اعتراض کی نہیں سوجھی کہ یہ دائمی سزا کیسی؟ جج کے اس فیصلہ پر تو وسوسہ بھی خلافِ عقل ہونے کا نہ ہوا اور خدا تعالیٰ نے جو اسی کے مثل فیصلہ فرمایا اس پر شبہ ہو گیا، یہ کیسا ایمان اور کیسا اسلام ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح حکومتِ وقت کی اطاعت کسی شخص میں نہ ہو تو اُس کے سارے ماہرانہ کمالات خواہ وہ بہت بڑا سائنسدان ہو یا ریاضی دان، انجینیئر ہو یا ڈاکٹر، صناع ہو یا تاجر، مورخ ہو یا مصنف، شاعر ہو یا ادیب، فلاسفر ہو یا مفکر، افسر ہو یا حاکم، اس کی یہ تمام خصوصیات اسے بغاوت

کی سزا سے نہیں بچا سکتیں، باغی ہونے کی صورت میں وہ ضرور حبس دوام یا پھانسی کی سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ افسوس ایک شخص سلطنت سے بغاوت کرے اس کے سارے اعمال اس کی ساری خوبیاں باطل اور ضبط ہونا تو معقول! اور جو احکم الحاکمین سے بغاوت کرے، اسلام نہ لائے جو مرادف ہے بغاوت کا کہ قانون کو تسلیم نہیں کرتا اس پر شبہ اور اعتراض کیا جائے اسی بغاوت کی سزا میں ارشادِ ربانی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

(پ۱۲ سورہ ہود)

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب وغیرہ) نہیں ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب ناکارہ ثابت ہوگا اور (واقع میں تو) جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔

لوازمِ محققیت

ایسے شبہات ان لوگوں کے زبان وقلم سے نکلتے ہیں جو اپنے کو سچا اور پکا مسلمان بلکہ قوم کا لیڈر اور مصلح خیال کرتے ہیں۔ ان شبہات کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم محقق ہیں۔ یہ ساری خرابی اس دعوئ محققیت کا نتیجہ ہے، حالانکہ محقق کے لوازم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو محقق نہ سمجھے، چاہے عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو، چہ جائیکہ عالم فاضل نہ ہوں اور اپنے آپ کو محقق اور علامہ سمجھیں، چنانچہ آج کل جو لوگ اپنے کو محقق سمجھتے ہیں ان کا مَبلغِ علم کچھ بھی تو نہیں مثال کے طور پر

امکانِ[1] ذات کو وجوب[2] اور امتناعِ عادی کو امتناعِ عقلی اور محال سمجھتے ہیں۔ بس ذرا تاریخ پڑھ لی، کچھ فلسفہ پڑھ لیا اور تھوڑی بہت جدید ادب سے واقفیت ہوگئی۔ بس سمجھنے لگے کہ ہم بڑے محقق ہیں۔ اور جب اپنے آپ کو محقق سمجھ لیا تو یہ خیال غالب ہوگیا کہ جو ہماری رائے کے خلاف ہے وہ واقع اور تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ پھر جو چاہا شبہ پیش کر دیا، چنانچہ یہ بھی ایک شبہ تھا جس کا ذکر میں نے ابھی کیا۔

رسالت سے بغاوت

اس شبہ کے بعد ایک اور شبہ بیان کیا جاتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر یہ تو سمجھ میں آگیا کہ اگر خدا تعالیٰ سے کوئی بغاوت کرے تو واقعی اُس کے سارے اعمال حبط اور ضبط ہو جانے چاہئیں، لیکن اگر کوئی شخص خدا کو تو مانتا ہو مگر رسول کو نہ مانتا ہو تو پھر اعمال کے حبط اور اس کے کافر ہونے کی کیا وجہ ؟ لیجئے بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان خیال کرتے ہیں مگر انکارِ رسالت کو کفر نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں کہ بس توحید کافی ہے۔ حالانکہ قرآن پاک نے جو کلامِ الٰہی ہے جا بجا آپ کے لئے رسول فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

---

[1] ممکن وہ ہے کہ جس کا وجود اور عدم محال نہ ہوں

[2] جس کا عدم محال اور ممتنع ہو ،

جب کلامِ الٰہی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا بتا دیا گیا تو اب انکار کی کیا وجہ ، اس انکار سے تو نعوذ باللہ لازم آتا ہے کہ خدا کو کاذب مانا جائے اور اس کے لئے کمالِ صدق کا انکار کیا جائے ۔ حالانکہ خدا کے ماننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تمام عیوب سے منزّہ اور پاک مانا جائے اور تمام صفات کمالیہ کا جامع سمجھا جائے ، منجملہ ان صفات میں سے ایک سچا ہونا بھی ہے ، اگر اس طرح نہ مانا گیا تو پھر خدا کا ماننا کہاں ہوا بلکہ اپنے خیال کو ماننا ہوا ۔ پس ثابت ہوا کہ جس نے رسول کا انکار کیا اور اس کو نہ مانا تو اس نے خدا سے بغاوت کی اور ظاہر ہے کہ خدا سے بغاوت کی سزا دائمی ہے ۔

عقائد اور اعمال

بعض عقلائے زمانہ نے عقائد کو عقیدۃً تو نہیں مگر حالاً دائرہ مفہوم تہذیب سے گویا خارج ہی کر دیا ہے بلکہ عقائد کے اندر تو اپنے کو مختار سمجھ لیا ہے ، سمجھتے ہیں ، کہ عقیدہ تو محض خیال کا نام ہے ، عقائد کو تو یوں غیر ضروری قرار دے دیا ۔ اب رہے اعمال سو اُن کو کسی درجہ میں ضرور مؤثر سمجھتے ہیں مگر ان میں بھی صرف چند اخلاق کو مثلاً ترحم ۔ ایثار ۔ ہمدردی ، نفع رسانی ۔ سخاوت و مروّت ۔ حبِ قومی وغیرہ ۔ بس ان چند اخلاقی چیزوں میں تہذیب کو منحصر کر لیا ہے ۔ بڑی تہذیب ان اخلاق ہی کو سمجھا جاتا ہے اسی لئے اعمال کو ان میں منحصر سمجھ کر یہ شبہ بھی پیش کر دیا کہ جب کہ ایک شخص سب بزرگوں کی تعظیم و تکریم بھی کرتا ہے ، خدا کو ایک بھی مانتا ہے اور

رسولوں کے حق میں بے ادبی بھی نہیں کرتا، والدین کا مطیع، نہایت بااخلاق وبامروت۔ حیا و تواضع کا پتلا، نرم و عاجزانہ کلام کا خوگر، مہمان نواز، وعدہ کا پکا، حتی الامکان مخلوق کے رنج و محن کو مٹانے والا، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا، حیوانات تک پر رحم کھانے والا، غرضیکہ بہت خوبیوں کا جامع۔ مگر پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ محض ایک امر کے نہ ہونے سے کس طرح سارے کمالات پر خاک ڈال دی جائے گی۔ اور ایسے شخص کو ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور ایک وہ شخص ہے جو نہ حرام وحلال کا خیال کرتا ہے، نہ فرائض کو ادا کرتا ہے، نہ نماز کا ہے نہ روزہ کا، بلکہ غایت درجے کا فاسق وفاجر، اخلاق خراب مگر آپ ایسے شخص کو مسلمان قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ گو کُٹ پٹ کر جائے مگر جائے گا ضرور۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تو بالکل تعصب اور تنگ نظری معلوم ہوتی ہے۔

سزا کا تناسب

اس معترض سے میں پوچھتا ہوں کہ جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ایک شخص نہایت لائق ہو۔ تمام کمالات اعلیٰ درجہ کے حاصل ہوں۔ انجینئر بے نظیر ہو، صناع بے مثل ہو، ریاضی میں ماہر ہو، فلاسفری میں لاجواب ہو، تواریخ کا حافظ ہو، فوج کی بہترین کمان کرنے والا ہو، نشانہ میں لاثانی ہو، سائنس کا موجد ہو۔ مگر ہو باغی، حکومت کے قوانین کو نہ مانتا ہو، اس کی اطاعت قبول نہ کرتا ہو، سب جانتے ہیں کہ اس کی

سزا جج کے یہاں سے کیا ہو گی؟ ظاہر ہے ایسے شخص کی سزا قانون گورنمنٹ میں دریائے شور یا پھانسی یا حبس دوام ہے مگر میں بقسم کہتا ہوں کہ کسی شخص کو جج کے اس حکم پر کبھی وسوسہ تک بھی نہ آئے گا کہ ایسی سخت سزا تعصب و خلافِ انصاف ہے، یا ترحم کے خلاف ہے، کیونکہ سمجھتے ہیں کہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے کہ جس کی سزا یہی ہونی چاہیئے، خواہ کیسی ہی کتنی ہی خوبیوں و کمالات کا جامع ہو، اگر اس صاحب شبہ کو جج کے اس فیصلہ پر وسوسہ آتا تو خیر کہا جا سکتا تھا کہ بیچارہ کیا کرے اس کی سمجھ ہی موٹی ہے اس لئے جو وسوسہ خدا پر پہنچا وہی جج پر پہنچا مگر غضب تو یہ ہے کہ جج کے فیصلہ پر کبھی وسوسہ نہ آیا اور خدا تعالیٰ نے جو اسی کے مثل فیصلہ فرمایا اس پر شبہ پیش کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُون۔ ایک شخص سلطنت سے بغاوت کرے تو اس کے سارے اعمال ساری خوبیاں ضبط و نظر انداز ہونا اور حبس دوام کی سزا ہونا تو معقول اور عقل کے موافق، اور جو خدا سے بغاوت کرے اس پر شبہ؟ استغفر اللہ، یہاں کوئی نہیں خیال کرتا کہ جس نے جُوا کھیلا، چوری کی، غصب کیا، لوگوں کو مارا پیٹا، زنا بالجبر کا ارتکاب کیا، ایسی کھلی کھلی بدتہذیبیاں کیں، بد سے بدتر اخلاق ظہور میں آئے اس پر یہ نرمی کہ دو چار سال کی ایک میعادی سزا دیدی جس کے بعد رہائی ہو جائے گی۔ لیکن ایک شخص اتنا صاحبِ کمال، ذی لیاقت اور باوجاہت، بامروت، منکسر المزاج، وعدہ کا سچا، نرم دل و عفیف اس کو بغاوت پر سزائے حبس دوام دی جائے،

جو بیچارہ کبھی بھی رہا نہ ہوسکے گا، ساری عمر جیل خانہ میں گزرے گی، ہمیشہ کے لئے دوست واحباب، ماں باپ، بیوی بچوں سے جدا کردیا، بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے؟ کہ اس بداخلاق بداطوار کو تو سزا محدود، اور اس بااخلاق، مخیر و خیرخواہ مخلوق کو محض ایک بات کے انکار پر سزا غیر محدود، یہ شبہ نہ کسی کو ہوا اور نہ ہوتا ہے، اگر ہو بھی اور جج سے کوئی یہ شبہ کرے تو جج یہی کہے گا کہ دونوں میں فرق ہے، ایک گو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے مگر صاحب قانون کی حکومت کو تو تسلیم کرتا ہے بغاوت نہیں کرتا، اور دوسرا تو سرے سے حکومت ہی کو نہیں مانتا اس کو اڑانا چاہتا ہے، بادشاہ کو بادشاہ ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جج کا یہ جواب معقول ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جواب اثبات میں ہوگا، کیونکہ ان کی عقل کے موافق ہے۔ تو حیرت کی بات ہے کہ ایک جواب جج صاحب کے منہ سے نکلے تو وہ معقول اور اگر اسی قسم کا جواب علماء اسلام کے منہ سے نکلے تو غیر معقول، اور اس کو تشدد و تعصب پر محمول کیا جاتا ہے، نہ معلوم، عالم ہونا جرم ہے کہ جو اس کے منہ سے نکلے اُسے ضرور جھٹلانا چاہیئے خواہ کیسی ہی ٹھکانہ کی بات کہیں، اور اگر وہی بات جدید تعلیم یافتہ کے منہ سے نکلے تو فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اگر ایک ڈاکٹر کہہ دے کہ شراب پینا صحت جسمانی کے لئے مضر ہے تو فوراً چھوڑنے کو تیار، اور اگر یہی بات ایک روحانی ڈاکٹر کہے کہ شراب پینا روحانی صحت کے لئے مضر ہے تو باور نہ کریں۔ حالانکہ یہ

بیچارہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ روحانی وجسمانی، مادی ونفسی حکیم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادِ ربانی کے فرمودات کے تحت کہتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ — سوائے اس کے نہیں کہ یہ شراب اور جُوا
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ — اور بُت سب گندے کام ہیں شیطان سے ([illegible])

حیرت ہے، یہ تو حال ہے مسلمانوں کا اور پھر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مومن اور مسلمان ہیں۔ اس قسم کے بھی لوگ اس زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں۔ اس لئے میں نے یہ مثال عرض کی تھی ورنہ اس مثال کی کوئی ضرورت اور حاجت نہ تھی، کیونکہ مثال توضاحت کے لئے ہوتی ہے۔ اس امر میں کوئی خفاء نہ تھا جو توضیح کے لئے مثال کی ضرورت واقع ہوتی۔ مگر ضرورت اس مثال کی یہ ہوئی کہ آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایسی موٹی بات میں بھی شک وشبہ پیدا ہونے لگا جو عقیدہ کے درجہ میں گو نہ ہو مگر رائے کے درجہ میں ضرور ہے اس لئے اس مثال کے ذریعہ وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ اسلام کا مدارِ نجات ہونا ایسا ہی ہے جیسے حکومتِ وقت کا فرمانبردار ہونا مدارِ مقبولیت ہے، ایسا شخص اگر جرم بھی کرتا ہے تو اپنے جرموں کی سزا بھگت کر ایک نہ ایک دن بری ہو جائے گا، بخلاف اُس شخص کے جو حکومتِ وقت کی بغاوت کرے اُس کی سزا کے منقطع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

دولتِ اسلام

میرے اس بیان و مثال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر کسی عقیدہ کا اصل الاصول نام ہونا یا اس کا بنیادی چیز ہونا زیبا ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی عقیدہ اس قابل نہیں کہ اس کو تمام اعمال کی جڑ کہا جا سکے۔ پس جو میں نے ابتداء میں دعویٰ کیا تھا کہ اگر کسی کو اولیت اور تقدم کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے تو وہ فقط اسلام ہے وہ بخوبی واضح ہوگیا، نیز میرے اس بیان سے اسلام کی فضیلت اور فرضیت کا درجہ بھی ذہن میں آگیا ہوگا کہ یہ کس درجہ کا ہے، جو کہ تمام فرائض و واجبات کی قبولیت اسی عقیدہ اسلام پر موقوف ہے بدوں اس کے نہ کوئی فرض ادا ہو سکتا ہے نہ واجب، آجکل عام طور پر مستحبات میں فرض سے زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں، چنانچہ نوافل و مستحبات کا جو پابند ہو اس کی بہت تعریف کی جاتی ہے گو فرائض کو اچھی طرح بھی ادا نہ کرتا ہو، اور جو شخص محض فرائض و واجبات، سنن مؤکدہ پر اکتفاء کرتا ہو مگر اُن کو اچھی طرح سنوار سنوار کر پڑھتا ہو اس کی زیادہ قدر و منزلت نہیں کی جاتی، نہ تعریف ہوتی ہے، یوں سمجھتے ہیں کہ یہ کرتا ہی کیا ہے؟ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، حقیقت یہ ہے کہ فرض کی فضیلت نوافل و مستحبات سے بڑھی ہوئی ہے اور ثواب بھی اس میں زائد ہے، فرائض کی مثال غذا اور نوافل کی مثال چٹنی جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کو چٹنی پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ محض چٹنی بلا غذا

بے سود ہے، مگر غذا بلا چٹنی بے سود نہیں، اسی مضمون کو ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے۔

مَنْ عَادَالِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ۔

جو دشمنی کرے میرے دلی سے میں اُس سے اعلان جنگ کرتا ہوں، اور جو نزدیکی حاصل کرے میرا بندہ اُن چیزوں میں سے کسی عمل کے ساتھ جو میں نے اُس پر فرض کی ہیں، اور ہمیشہ میرا بندہ مجھ سے نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے نوافل کے ذریعہ یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔

حضرات محققین فقہا اور صوفیا نے بھی اس کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب خداوندی زیادہ ہوتا ہے، فرائض کا تو یہ درجہ ہوا اور ہمارا حال یہ ہے کہ فرائض سے زیادہ نوافل ومستحبات کی پابندی کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جتنے ذوق وشوق سے نوافل کو ادا کرتے ہیں اُتنے ذوق سے فرائض کو ادا نہیں کرتے، اور جو فرائض کو ادا کرتے ہیں وہ خود بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کرتے ہی کیا ہیں۔ صرف فرائض ہی تو ادا کرتے ہیں، اگر یہ خیال تواضع اور عاجزی کی وجہ سے ہے پھر تو محمود ہے، اور اگر نوافل ومستحبات کی واقعتاً فرائض پر فوقیت خیال کرنے کی بنا پر ہے تو مذموم ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی توفیق کم ہوتی ہے، اور جو شخص مستحبات میں مشغول ہو اور فرائض کو بیگار طریقہ سے ادا کرتا ہو لوگ بھی اس کے معتقد اور خود بھی وہ اپنا معتقد ہوتا ہے اور سمجھتا

ہے کہ میں شب بیدار ہوں گو فرائض میں بھاگتا ہی ہو یعنی اٹھک بیٹھک ہی کرتا ہو، سکون اور آداب و تعدیل سے ادا نہیں کرتا اسی غلطی کا یہ اثر ہے کہ لوگوں کو اسلام جیسی نعمت کی قدر زیادہ نہیں، سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں، حالانکہ اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے جو دنیا کے بڑے سے بڑے سرمایہ دار کے پاس نہیں، وہ اسلام اور ایمان کی دولت ہے، گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اس کو گناہ ہو، جس کا یہ اثر ہو کہ فوراً دخولِ جنت نہ ہو، کچھ دنوں کے بعد ہو، مگر بدوں اسلام تو نجات ہی کسی طرح نہیں ہوسکتی، اور ممکن ہے کہ بعض گنہگار بدوں عتاب ہی کے بخش دیئے جائیں بلکہ اس کا وقوع بھی ہوگا شاید اس پر کوئی یوں کہے کہ کیا مسلمانوں کے نزدیک بھی شر اور نافرمانی بدوں سزا معاف ہوسکتے ہیں، تو اگر ایسا ہے تو پھر مسلمانوں کو شر اور نافرمانی پر جرأت اور ہمت ہوگی، اور وہ بڑے سے بڑا جرم کرنے کے بعد بھی نجات کے امیدوار رہیں گے۔

جرأتِ جرائم

اس کا جواب یہ ہے کہ اقدامِ جرائم اگر اس عقیدہ کا ثمر ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جن لوگوں کو اسلام سے جتنا تعلق ہے، مثلاً علماء اتقیاء صوفیاء ان میں یہ ثمر زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب کے ثمرات کا ظہور ان لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو مذہب سے لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں اور کفار بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں

کہ جن لوگوں کو اسلام کے قوانین سے زیادہ واقفیت و تعلق ہے وہ جرائم کا ارتکاب تو کیا وہ تو شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں۔

ایک واقعہ

ہمارے مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایک خلیفہ کا واقعہ ہے ایک مرتبہ ان کے پاس ریل کے سفر میں کچھ سامان قانون سے زیادہ تھا جس کا وزن کرا کے محصول کی ادائیگی ان کے ذمہ تھی مگر تنگیٔ وقت کی وجہ سے وزن نہ کرا سکے۔ منزل پر پہنچ کر بابو سے واقعہ بیان کیا اور وزن کرا کے بابو کو محصول لینے کو کہا مگر بابو نے فرصت نہ ہونے کا عذر کر دیا اور بلا محصول لے جانے کو کہا، مگر یہ صاحب یہ فرما کر کہ آپ ریلوے کے مالک تو نہیں بلکہ ملازم ہیں محصول لینے کا اصرار کرتے رہے بالآخر اسٹیشن ماسٹر کے پاس یہ پہنچے۔ اس کو سارا واقعہ سنایا۔ اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف لے جائیں مگر انہوں نے نہ مانا۔ ان دونوں ملازموں میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی کہ یہ شخص شرابی معلوم ہوتا ہے۔ باوجود ہمارے انکار کرنے کے محصول دینے پر اصرار کرتا ہے۔ یہ صاحب مرد صالح چونکہ انگریزی دان بھی تھے، ان کی باتوں کو سمجھ گئے، انہوں نے کہا کہ میں شراب پیئے ہوئے نہیں ہوں، بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو، تب بھی انہوں نے محصول نہ لیا تو انہوں نے سوچا کہ اب کیا کروں دل میں آیا کہ جتنا سامان زیادہ ہے اسی قدر کا ٹکٹ لے کر چاک کر دوں اس طرح ریلوے کے حق سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اُس کے

بعد سے ریلوے والوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ جو لوگ تھانہ بھون حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے پاس جانے والے ہیں وہ بلا وزن کرائے سامان نہیں لے جاتے۔ چنانچہ اس کے بعد بلا کسی پس و پیش کے سامان وزن کر دیا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت تھانویؒ کی تعلیمات میں معاملات کی بڑی اہمیت تھی۔ اور حقوق العباد بھی معاملات کی ایک قسم ہے۔ اب بھلا اس واقعہ کی نظیر کوئی قوم دکھا سکتی ہے۔ پس اگر اس عقیدہ کا اثر اِقْدَامُ عَلَی الْجَرَائِمْ ہوتا تو علماء و صلحاء سب سے زیادہ بے باک ہوتے۔ پس معلوم ہوا اس عقیدہ کا یہ اثر نہیں جو معترضوں نے سمجھا، بلکہ اس کا اثر گناہوں سے رُکنا اور نفرت ہونا ہے مگر افسوس ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

"یعنی میری بد اندیش آنکھ اٹھی ہوئی ہے (جس کی وجہ سے) اس کا ہر ہنر عیب نظر آتا ہے۔"

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو گناہوں اور جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ بد اندیش کو جرائم پر جری ہونے کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عقلاً بھی یہ عقیدہ اقدام جرائم کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں باوجود کبائر کے معاف کر دیں گے۔ ہم میں سے کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیتِ الٰہی بصورت عفو ہے یا بصورتِ عذاب، کیونکہ قانون اصل شی ہے، پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک کو اندیشہ ہے کہ

ہوسکتا ہے میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جاوے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک عنین شخص شرم و ندامت سے بقصد خودکشی سنکھیا کھالے اور اتفاق سے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ سنکھیا ہضم ہوکر اس کے اندر مردمیت پیدا کردے، چنانچہ بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سنکھیا کھانے پر جرأت ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا۔ مگر اتفاقاً اس شخص میں اس کی خاصیت کا ظہور نہ ہوا تو خاصیت اس سے زائل نہ ہوگی۔ اس لئے مردمیت و مردانگی بڑھانے کے لئے سنکھیا کھانے کی نہ کوئی اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرأت کرسکتا ہے۔ علیٰ ہذا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام و سلاطین مراحم خسروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کردیتے ہیں۔ مگر باوجود اس علم کے ہر شخص کو قتل پر جرأت نہیں ہوسکتی کیونکہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصل سزا تو قتل و پھانسی ہی ہے اور عمل بھی اسی قانون کیمطابق ہوتا ہے اور مراحم خسروانہ کوئی قانون نہیں محض حاکم کی مشیت پر ہے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مراحم خسروانہ کا برتاؤ کرلے اور کس کے ساتھ نہ کرے۔ لہذا بتوکل اور بتوقع مراحم خسروانہ اقدام جرائم کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

خصوصی مغفرت

بعینہٖ اسی طرح گناہوں کا بدوں عذاب معاف ہوجانا کوئی قانون نہیں محض مراحم خسروانہ ہے۔ پس اس مسئلہ کو اقدام جرائم کا سبب کیونکر سمجھ لیا

گیا، بھلا کسی کو استنجے کے لئے ڈھیلا زمین سے توڑتے ہوئے اتفاقاً سونے کا گھڑا مل جائے تو کیا اس اتفاقی بات پر بھروسہ کر کے تجارت و زراعت سے مستغنی ہو کر کوئی بیٹھ سکتا ہے، پھر کس طرح مرتکب کبائر کسی کبیرہ گناہ کے کرنے والے کے اتفاقاً بخشے جانے پر بھروسہ کر کے بیٹھ سکتا ہے اور نیز یہ اتفاقاً بخشا جانا بھی اس کے کسی عمل صالح ہی کی وجہ سے ہوگا کہ وہ عمل خدا کے یہاں بہت مقبول ہو چکا ہے۔ اس کی برکت سے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل بھی ہے جو خدا تعالیٰ کے یہاں بہت مقبول ہو چکا ہے' جس کی برکت سے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو گناہ چاہیں کریں بخشے جائیں گے بلا عذاب ہی۔ بے فکری کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔

بدوں عذاب کے بعض گناہوں کا معاف ہو جانا یہ حق تعالیٰ کا عفو و کرم ہے، جو اپنے بندوں پہ بے حد رحیم و کریم ہیں۔ اس کے سننے سے تو بجائے جرائم پہ دلیری کے، طاعت میں بڑھنے کا تقاضا ہوتا ہے کیونکہ آقا کی عنایات زیادہ ہوں تو طبائع سلیمہ احسان و کرم سے بے پایاں ہو جاتی ہیں۔ طاعات و عبادات میں شوق ترقی کرتا ہے۔ جیسا کہ اسلام سے زیادہ تعلق رکھنے والوں اور شاہنشاہی مصاحبوں پہ اس کا اثر مشاہد ہے، اب اگر اس عقیدہ سے کسی میں اقدام علی الجرائم کا وجود پیدا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ اس عقیدہ کا اثر نہیں بلکہ اس شخص کی کجی طبع

اور خباثت کا اثر ہے، جیسے بادشاہ کا کریم ہونا طبائع سلیمہ کے لئے زیادت وفاداری کا سبب ہوتا ہے۔ گو بعض نالائق بادشاہ کے کرم کی وجہ سے جرائم پر بھی دلیر ہو جاتے ہیں۔ سو کیا اس کا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جائے گا یا غلام کی بدطینیتی کو۔

یقینی مغفرت

ذرا انصاف کیجئے اور عقل سے کام لیجئے کہاں ان کی رحمت یعنی مغفرت، کہاں ہماری سرکشی۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ — اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا — بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیں گے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ — بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

(پ ۲۴ سورہ زمر)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں کو حق تعالیٰ یقیناً معاف فرمائیں گے کیونکہ یہاں لِمَنْ يَّشَاءُ نہیں ہے۔ ان حضرات کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس آیت کا شان نزول ان لوگوں کے بارے میں ہے کہ جو لوگ کفر سے اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے اور آچکے تھے۔ مگر خائف تھے کہ آئندہ تو معاصی سے پرہیز کریں گے۔ مگر اب تک جو ہم نے بحالتِ کفر بڑے بڑے جرائم کئے۔ صحابہؓ کو ایذاء پہنچائی رسولؐ کو ستایا طرح طرح سے مقابل ہوئے ان کا کیا حشر ہوگا۔ اگر بعد اسلام ان پر مواخذہ ہوا تو اسلام لانے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ کفار دربارِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ لَوْ اَسْلَمْنَا فَمَا يُفْعَلُ بِذُنُوْبِنَا

الَّتِیْ اَسْلَفْنَا۔ کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے بارے میں کیا برتاؤ ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نا امید نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ میرے وہ بندے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ یہاں ماضی کا صیغہ ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفوا۔ آگے ارشاد ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا نا امید نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔ وہی غفور ورحیم ہیں۔ پس اس میں جو مغفرت کا حتمی وعدہ ہے وہ عام نہیں بلکہ نومسلموں کے لئے ہے۔

مشروط مغفرت

اور دوسری آیت میں مسلمان ہونے کے بعد نافرمانی کرنے پر بدوں عتاب بخشے جانے پر وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ میں مشیت کی قید سے مشروط ہے۔ اور اگر کہا جاوے۔ العبرۃُ[1] لعمومِ اللفظ لا لخصوصِ المورِد کے قاعدہ سے آیت کو عام اور مطلق رکھیں گے تو میں کہوں گا کہ اگر اس کو شانِ نزول سے مقید نہیں کرتے تو دوسری آیت سے مقید کرنا پڑے گا کیونکہ ایک آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا اتحاد واقعہ میں لازم ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آیت وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ اور آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ دونوں عصاۃ و نافرمانوں کے بارے میں ہیں اور ایک جگہ مغفرت بقید مشیت مشروط ہے۔ دوسری جگہ مطلق ہے۔ لہٰذا مطلق کو مقید پر

---

[1] یعنی عمومیت الفاظ کا اعتبار ہے خصوصی محل کا اعتبار نہیں۔

محمول کیا جاوے گا۔ ایک آیت میں قاعدہ اور قانون کا بیان ہے۔ دوسری جگہ مایوسوں کی یاس کا ازالہ ہے جو کہ کفار کو یاس ہو رہی تھی جس کا ازالہ بدوں اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا فرما دیا کہ بے فکر ہو کر اسلام لے آؤ کفر کے زمانہ کے تمام گناہ اسلام لانے سے معاف فرما دیں گے چنانچہ حدیث میں ہے۔ اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ علہ، اللہ اللہ کیا خوبی اور فضیلت ہے اسلام کی، کیا شان و استغناء ہے اسلام میں کہ اتنے بڑے بڑے تو جرم، مگر جب یہ خیر اور احسن کام اسلام لانے کا کیا تو اس نیکی نے سب کو دھو دیا اور ایسا کر دیا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قربان جایا جائے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۵ "اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے ساتھ رہتی ہے۔" کہ اسلام لانے کی نیکی سے تمام زمانۂ کفر کی سرکشیوں پر پانی پھیر دیا۔ کیا خوب کہا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

"یعنی جیسے کچھ بھی ہو واپس آجاؤ۔ اگرچہ کافر اور آگ پرست اور بت پرست ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں۔ اگر سو بار توبہ کر کے بھی توڑ دی تو بھی لوٹ آؤ۔"

لَا تَقْنَطُوْا میں صرف مایوسین کی یاس کا ازالہ مقصود ہے یہ مطلب

علہ اسلام اپنے سے ماقبل کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

ہرگز نہیں کہ اعمال کی ضرورت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لازم نہیں بلکہ لفظ لَا تَقْنَطُوْا خود ضرورتِ اعمال پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ اس میں قنوط و یاس کی ممانعت ہے جو کہ معاصی سے پیدا ہوتی ہے اور رجا بدوں اعمال صالحہ پیدا نہیں ہوتی۔ مجرم کو اپنے جرم کا جس وقت استحضار ہوتا ہے۔ اس وقت رجاء کا مضمون ذہن میں نہیں آسکتا تو جب قنوط سے بچنا واجب ہے تو اسباب قنوط سے بچنا بھی واجب ہے کیونکہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے۔ سرکش غلام کو اُمید کا درجہ نصیب نہیں ہوتا تجربہ کر لیجیے۔

اُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيْبِ بِاَوْجُهٍ وَّلٰكِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ قَلِيْلٌ

"میں پسند کرتا ہوں حبیب سے سرگوشی کو۔ واقعی مجرم کی زبان بار بار جرم کی وجہ سے مناجات سے بھی بند ہو جاتی ہے۔"

الحمد للہ کہ تمام اشکالات مُرتفع ہو گئے کہ ادیانِ عیسوی و موسوی، داؤدی علی اصحابہا الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی کیوں مطلوب ہے اور اسی پر مدارِ نجات کیوں ہے نیز اس مذہب کو اختیار نہ کرنے پر یا اختیار کر کے ترک کر دینے پر ابدالآباد کا عذاب کیوں ہے اور مسلمان باوجود گناہوں کے کیوں نجات پا جائے گا۔ خواہ بعد عذاب کے یا بدوں عذاب کے۔

انکارِ رسالت کا اثر

اب اسلام کے دوسرے جُزو یعنی رسالت پر جو شبہ کیا جاتا ہے

اُس کو یہاں قدرے تفصیل سے بیان کر کے اور کچھ فضائلِ اسلام بیان کر کے وعظ ختم کر دوں گا۔ سنیے! بعض لوگ ایسے ہیں جو رسالت کو ضروری نہیں سمجھتے اور بدوں اعتقادِ رسالت اپنے کو اور دوسروں کو کامل موحد سمجھتے ہیں اور ناجی خیال کرتے ہیں انکارِ رسالت کو کُفر نہیں سمجھتے۔

بادشاہِ وقت کسی کو وائسرائے بنا کر یہاں بھیجے اور عقلاً و نقلاً و علامۃً اس کا خاص شاہی آدمی وائسرائے ہونا متعین ہو جاوے اور ہم اُس کو تسلیم نہ کریں اور اس کی زبان شاہی زبان ہونے کے منکر ہوں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم بادشاہ کے ماننے والے ہیں۔ سو میں کہتا ہوں کہ اول تو نصوص قطعیہ سے آپ کا رسول ہونا ثابت ہے۔ نیز سیر و تواریخ اور راہبین و دیگر کتب سماوی سے آپ کی رسالت تصدیق شدہ ہے اور معجزات علاماتِ رسالت پر بیّن دلائل موجود ہیں۔ علاوہ ازیں عقلی و الزامی حیثیت سے یہ جواب ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا یہ لازم ہے خدا کے نہ ماننے کو۔ کیونکہ خدا کے معنی ہیں کہ جیسا خدا ہو ویسا ہی اُسے مانا جاوے۔ اگر کسی نے اور طرح اعتقاد کر لیا تو اُس نے خدا کو مانا ہی نہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں بادشاہ کو مانتا ہوں کوئی پوچھے وہ کیسا ہے؟ جواب دے کہ ایک آنکھ، ایک ٹانگ، دونوں ہاتھ کٹے ہوئے عقل کا کوتاہ بُزدل ہے حالانکہ وہ نہایت حسین و خوبصورت، مدبر، سخن رس، شجاع حلیم ہے۔ کوئی نقص و عیب نہیں ہے تو کیا یہ کہا جائے گا

کہ اس شخص نے بادشاہ کو مانا۔ تو خدا کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام کمالات کے وجود کا معتقد ہو اور منجملہ ان کمالات کے صدق وسچا ہونا بھی ہے لہٰذا اگر خدا کو سچا نہ مانا تو یہ خدا کا نہ ماننا ہوا۔ تو اب غور کیجیۓ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تو خدا کو جھوٹا سمجھا اور خدا کے وصفِ صدق کا انکار خدا کا انکار ہے۔ پس بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا تو وہ باغیوں میں شمار اور کافر ہے اور معذّب بعذاب دائمی ہے۔

عبادت و اطاعت کا فرق

آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، عبادت اور چیز ہے اطاعت اور چیز، عبادت اور اطاعت میں فرق نہ سمجھ کر رسولؐ کی اطاعت خلافِ توحید سمجھ بیٹھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؂ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ یہ عقل ہے کہ عبادت اور طاعت میں فرق نہ جانیں اور اپنے کو دانایانِ فہم خیال فرمائیں۔ واضح رہے کہ عبادت میں مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کوئی شریک نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک نہیں، یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنا نہ زندگی میں حضور کو جائز تھا نہ اب آپ کی قبر کو سجدہ جائز ہے۔ ہاں اطاعت میں حضور کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ آپ شریک فی الاطاعت ہیں بلکہ اس لئے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے پیغام ہوتا ہے تو آپ کا حکم

درحقیقت آپ کا حکم نہیں بلکہ رسول وپیغمبر ہونے کی وجہ سے بلسانِ رسول وہ خدا ہی کا حکم ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ نیز ارشادِ خداوندی ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تحقیق اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ۔ درحقیقت جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے وزیر کی زبان بادشاہ کی زبان سمجھی جاتی ہے اور جیسے وائسرائے کو شاہی آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اطاعتِ کلکٹر اطاعتِ بادشاہ تصور کی جاتی ہے، توہینِ جج توہینِ بادشاہ خیال کی جاتی ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہوگیا۔ اگر کوئی جاہل ایسا سمجھے اور آئندہ سے بجائے تختِ شاہی کے وزیر کی کرسی کو بوسہ دینے لگے یقیناً وہ معتوب ہوگا۔ وکیل کا کیا ہوا فعل اصل کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ تم خود کہہ رہے ہو، مگر اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وکیل آپ کے برابر ہوگیا کہ آپ کی جائیداد کا مالک ہو جائے کہ جو چاہے تصرف کرے۔ پس مسلمان رسولؐ کی اطاعت اس معنی سے کرتے ہیں۔ اس سے شرکت ومساوات ہرگز لازم نہیں آتی۔

مدارِ نجات

افسوس یہ ہے کہ مخالفین اعتراض کرتے ہوئے مسائلِ اسلامیہ کی حقیقت کو ذرا نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہیں تو منشائے اعتراض کا محض حسد ہے

ورنہ مسائلِ اسلامیہ پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ میرے اس بیان سے توحید کی پاکیزگی آپ حضرات کو روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی ہوگی۔ یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ پہلی بنیادی چیز اور اوّل سبق یہ ہے کہ مسلمان ہو اور اسی پر خاتمہ ہو وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۵ ہم سے مطلوب ہے اسی لئے کہا گیا کہ مذہب اسلام کے مقابل تمام ادیان منسوخ ہیں۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط اور وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ اس پر مُصرح ہیں (یعنی جو شخص دین اسلام کے علاوہ اور کوئی دین تلاش کرے گا۔ وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا) پس اسلام کو اتنا بڑا درجہ و مرتبہ فضیلت کا حاصل ہے کہ مدار نجات کا اسلام ہی پر ہے کہ بدون اسلام نجات ہی نہیں ہو سکتی۔

کلمہ طیبہ کی برکات

اب رہا یہ کہ اس کے حصول کا کیا ذریعہ ہے؟ تو میرے دوستو! اس کا ذریعہ کلمہ شریف کی دل سے تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار کرنا ہے۔ یعنی وہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ جو تمام کفریات کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے۔ ظلماتِ کفر مٹا کر انوارِ ایمانی قلب کے اندر ودیعت کر دیتا ہے۔ یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ جس روز زمین و آسمان پیدا کیا اُسی روز ایک فرشتہ پیدا کر کے اُسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ فرشتہ اس وقت سے برابر بلند آواز سے

کہہ رہا ہے اور تا نفخ صور کہتا رہے گا اگر اس کلمہ کو بخلوص توقیر و تعظیم کے ساتھ مومن کہے تو اس کے چار ہزار گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ کلمہ ہے کہ تعجب خیز۔ حیرت انگیز چیز دیکھ کر پڑھا جاوے تو اس کے ہر ہر حرف سے ایک بہت بڑا گنجان درخت جنت میں پیدا ہوگا۔ ہر درخت کے اتنے پتے ہوں گے جس قدر دنیا کے دن اور اس کا ہر ہر پتہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کے لئے قیامت تک تسبیح و استغفار کرتا رہے گا۔

ایک حکایت یاد آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مع ہارون علیہ السلام کے حکم فرمایا۔

فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی۔ سورۂ طٰہٰ

(یعنی جب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، تو اس سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرو کہ شاید وہ رغبت سے نصیحت قبول کرلے یا ڈرے)

اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین نرم بات سے کیا مراد ہے۔ فرمایا تم فرعون سے کہو کہ کیا تو صلح چاہتا ہے۔ دیکھ تو سہی کہ تو ساڑھے چار سو ۴۵۰ برس تک اپنے نفس کی پیروی میں ڈوبا رہا۔ اب اگر ایک سال بھی ہماری خواہش کی پیروی کرلے تو تیرے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے اور اگر اتنا نہ ہو سکے تو صرف ایک ماہ ہی اتباع کر۔ اور اگر اتنا بھی نہ بن پڑے تو ایک روز ہی سہی۔ اور اگر اس قدر بھی تجھ پر ناگوار گذرے،

تو ایک ہی گھنٹہ سہی۔ یہ بھی نہ سہی۔ تو ایک سانس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ،
کہہ لے اگر ایسا کرے گا تو مجھ میں تجھ میں صلح ہو جائے گی۔ جب موسیٰ و علیٰ
نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق رسالت ادا کیا اور فرعون کو تبلیغ کی،
تو جب جناب باری کا پیغام فرعون کو پہنچایا تو اس طاغی و نا فرمان نے بجائے
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا اس کہنے سے زمین و آسمان لرز
اُٹھے۔ اس کے ہلاک و تباہ کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی۔ حکم ہوا
کہ وہ مثل کتے کے ہے۔ اُسے تو صرف ایک لکڑی کافی ہے۔ اے موسیٰ!
تم اپنی لکڑی ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جوں ہی لکڑی ڈالی فوراً وہ
اژدہا بن گیا، فرعون ڈر گیا وہ سمجھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی جادوگری کا کرشمہ
ہے۔ چنانچہ فرعون نے جادوگروں سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرایا۔ قصہ
مشہور ہے۔ جب جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا
ڈالا تو وہ عصا اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے جادو کو نگل گیا تمام جادوگر
سجدہ میں گر پڑے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہ پڑھ کر ایمان
لے آئے۔ لیکن فرعون بجائے ایمان لانے کے محل میں بھاگ گیا۔ تب
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اے فرعون! اگر گھر سے نہ نکلے گا
تو میں اپنے عصا کو وہیں تیرے پاس پہنچنے کا حکم دوں گا۔ یہ سُن کر
فرعون بولا۔ اے موسیٰ مجھے تھوڑی مہلت دینا چاہیئے۔ موسیٰ علیہ السلام
بولے مہلت کی اجازت نہیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے
موسیٰ مہلت دیدو۔ ہم نے اب تک مہلت دی۔ ہم حلیم ہیں۔ سزا

دینے میں جلد باز نہیں ہیں۔ مہلت دے دی گئی۔ فرعون کی اُسوقت خوف کے مارے ایسی بُری حالت ہوئی کہ اس وقت سے ہر روز چالیس دفعہ پاخانہ جانے لگا۔ حالانکہ اس سے پیشتر معمول کے مطابق جایا کرتا تھا۔ اور آپ حضرات نے کرم حق بے نیازی کی شان دیکھی کہ اتنے بڑے سرکش کی سرکشی کو ایک کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کے پڑھنے سے معافی کا پروانہ دیا جا رہا ہے۔

اسی فرعون کا دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ ایمان لے آؤ۔ کہنے لگا کہ اگر میں ایمان لے آیا تو مجھے کیا ملے گا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا۔ چار چیزیں عطا ہوں گی۔ اوّل[۱] یہ کہ تو قیامت آنے تک زندہ رہے گا۔ دوسرے[۲] یہ کہ قیامت تک یہ بادشاہت تیرے پاس رہے گی۔ تیسرے یہ کہ قیامت تک جوان رہے گا۔ چوتھے یہ کہ قیامت تک تندرست رہے گا، کوئی مرض لاحق نہ ہوگا۔ یہ سن کر کہنے لگا کہ اچھا میں مشورہ کر لوں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس سے چاہے مشورہ کر۔ مگر اپنے وزیر ہامان سے مشورہ نہ کیجیو۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی حضرت آسیہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وعدہ تو بڑی دولت ہے ہر ایک ان چاروں کا آرزومند ہوتا ہے۔ ضرور ایمان لے آنا چاہیئے اور جلد لے آنا چاہیئے۔

ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چنانچہ فرعون آمادہ ہوا مگر کمبخت ہامان کو خبر لگی دوڑا ہوا پہنچا

اور تلوار نکال کر فرعون کے سامنے رکھ دی کہ میں اس کو گوارہ نہیں کر سکتا کہ اب تک ہامان نے جس زبان سے آپ کو خدا کہا ہو وہ اب سے بندہ کہے۔ پہلے ہامان کی گردن اس تلوار سے الگ کر دو۔ پھر جو چاہو کیجیو۔ فرعون ہامان کے کہنے میں آگیا اور ایمان سے محروم رہا۔ دونوں واقعوں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس طرف سے یہ کرم و بخشش۔ مگر اُدھر سے واہ ری یہ ہٹ کہ اس سرکش کو نہ کلمہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جس کا نتیجہ بھی پھر یہ ہوا کہ دنیا میں عذابِ غرق میں مبتلا کیا گیا اور آخرت میں عذابِ حرق دوزخ کے جانکاہ اور المناک عذاب میں پھنسا دیا گیا۔

کلمہ کی رفعت

اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی رفعت یوں بیان فرمائی ہے۔ مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا الاٰية ۔" یعنی اس کلمہ طیبہ کی ایسی مثال ہے جیسے ایک درخت ہو صاف ستھرا (پاکیزہ نہایت خوبصورت مزیدار پھل والا) اس کی جڑ بہت مستحکم و مضبوط (کہ کیسی ہی آندھی کے جھونکے، ہواؤں کے تھپیڑے آویں۔ مگر اپنی جگہ پر اسی طرح قائم کہ اُس سے متاثر ہونے کا نام نہیں) اور شاخیں اس کی حد درجہ بلند کہ آسمان سے باتیں کریں۔ اس کا پھل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر وقت آتا رہتا ہے"۔ یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے جس نے صدقِ دل سے اس کو دل میں

---

(۱) پ۱۳ سورہ ابراہیم

بٹھا لیا۔ اس کی اصل اور جڑ قلبِ مومن میں جم گئی۔ پھر کفار کے مناظرے، شیاطین کے وسوسے، نفسیاتی تخیلات و نظریے اس کو مذبذب نہیں کر سکتے ہاں کسی نے اس کی جڑ کو خود ہی کھوکھلا کرنا شروع کر دیا ہو کہ اُس کی آبپاشی بذریعہ اعمالِ صالحہ نہ کی ہو تو یہ خامی تذبذب کا باعث ہو جاوے گی۔ وہ امرِ آخر ہے۔ ورنہ کلمہ طیبہ تو ذات میں ثمرات عجیبہ اور لذیذہ رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کلمہ طیّبہ کو کہیں تو پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح پانی کپڑوں اور جسموں کو میل کچیل سے پاک اور نکھار کر دیتا ہے اسی طرح کلمہ طیبہ گناہوں کی گندگی سے پاک و صاف کر دیتا ہے کہیں سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سورج اپنی نورانی شعاعوں سے دنیا و جہان کو روشن کرتا و جگمگاتا ہے اسی طرح یہ کلمہ طیبہ اپنے ورد رکھنے والے کے قلب کو منوّر کرتا رہتا ہے۔ اور قبر میں روشنی پھیلاتا ہے۔ کہیں اسے تاروں سے مشابہت دی گئی ہے اس وجہ سے کہ تارے مسافروں کے رہبر اور دلیل ہوتے ہیں یہ کلمہ شریف بھی گمراہوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے شارع عام پر پہنچاتا ہے۔ کہیں درخت تمر (کھجور) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے کہ شجرِ تمر ہر زمین میں نشو و نما نہیں پاتا اسی طرح کلمہ ہر دل میں اپنا گھر نہیں کرتا۔ دوسرے یہ درخت تمام درختوں سے زیادہ طویل ہوتا ہے اسی طرح اس کلمہ کی جڑ مسلمان کے دل میں ہوتی ہے اور شاخیں عرش کے

نیچے سایہ ڈالے رہتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ کھجور کے نیچے کا حصہ خاردار اور بالائی حصہ ثمردار ہوتا ہے۔ نیز جس طرح کھجور کے درخت پر چڑھنے والے کو اوّل اوّل ذرا سی مصیبت و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر مزیدار و خوشگوار پھل ہاتھ لگتا ہے۔ اسی طرح اوّل اوّل اس کلمہ میں کچھ یوں ہی تکلیف اور ایذائی مشقت جھیلنا ہوتی ہے پھر مراد کے ثمرہ کو اور مزیدار پھل کو پہنچتا ہے اور وہ سب میں بڑا ثمرہ دیدار الٰہی کی نعمت کا ہونا ہے اور یہ کلمہ شریف جنت کے دروازے کی کنجی بھی ہے اور کنجی کے لئے دندانوں کا ہونا ضروری بات ہے اس کے دندانے خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑنا اور واجب کی ہوئی باتوں کو بجالانا ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص دل کی عقیدت مندی اور خالص نیت کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اے رسولِ خدا اخلاص کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ محارم الٰہی سے بچنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ ہر نیکی کا وزن ہوگا مگر کلمہ شہادت کا وزن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا ثواب بے حساب ملے گا۔

کلمہ کے انوار

حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کے ذاکر کو تین نور عطا ہوتے ہیں نورِ ہدایت۔ نورِ کفایت۔ نورِ عنایت۔ نورِ ہدایت کے نصیبہ کی وجہ سے شرک کی ظلمت و تاریکی کو نکال لیا گیا ہے۔ جس پر نورِ کفایت کا

فیضان ہوا وہ ہر قسم کے گناہ کبیرہ سے فحش باتوں سے محفوظ ہوا اور جو نورِ عنایت سے نوازا گیا وہ فاسد خطروں اور اہل غفلت جیسی حرکتوں سے مامون رہا۔ پہلے نور کے نصیبے والے وہ ہیں جو ذاکر لسانی ہیں۔ قلب متاثر و حاضر نہیں۔ دوسرا نور ذاکر قلب کا حصہ ہے۔ تیسرا نور اُن کے لئے ہے جو کسی وقت بھی اپنے رب کو نہیں بھولتے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ ۔
(پ۲۲ سورہ فاطر)

پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرتے والے ہیں اور بعضے متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں ایسے ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ ۔ "تم میری یاد میں مصروف رہو میں تمہارا ذکر کروں گا"۔ مسلمانو! غور کرو ہماری ساری خرابیوں کی اصل بھی یادِ حق کا نہ ہونا ہے۔ دیکھا فرماتے ہیں کہ تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ مگر ہم ہیں کہ اس سے دُور دُور رہتے ہیں مؤذن کہتا ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ نماز کی طرف آؤ ہم ہیں کہ بازار اور چوپالوں کی طرف چلے جارہے ہیں۔ مؤذن کہتا ہے حَیَّ عَلَی الْفَلَاح بہبودی بھلائی کی طرف فلاح کی طرف آؤ! ہم شرارتوں کی جگہ جاتے ہیں آہ! کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہم بُلاتے ہیں تجھے جاتا ہے بھاگا ہم سے تو
بے مروّت ہو گیا بے دید کیا ہم سے تو

بھاگ کر کس جا پہ جائے گا ہم سے تو — تو جہاں جائے گا ہونگے ہم بھی واں اے بیخبر

برکاتِ ذکرِ الٰہی

ذکر الٰہی کی مجالس وہ چیز ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بعض دفعہ بندہ ذکر الٰہی کی مجلسوں میں بے شمار گناہ لے کر آتا ہے مگر جب اس مبارک مجلس سے باہر نکلتا ہے تو ذکر کی برکت سے ایسا صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے کہ ان گناہوں میں سے کچھ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے مجلسِ ذکر کو جنّت کے سرسبز شاداب باغات میں سے ایک نہایت لطف خیز ہرا بھرا باغ فرمایا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں، جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے وہ شجر طوبیٰ کے سایہ میں رہتا ہے۔ حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا جن کے چہرے نور سے تاباں درخشاں ہوں گے ان کو چمکدار موتیوں کے ممبروں پر بٹھایا جائے گا وہ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء بلکہ ایک اور قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک بدوی یہ سُن کر دو زانو ہو بیٹھا عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں ذرا صاف طور پر ظاہر فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اور آپس میں ایکدوسرے کو پیار و عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور آپس میں جمع ہو کر ذکر الٰہی کرتے ہیں یہ لوگ کسی ایک جگہ یا ایک محلہ کے نہیں بلکہ مختلف قبیلوں متعدد شہروں متفاوت موضعوں کے لوگ ہیں۔ افسوس آج وہ

زمانہ ہے کہ بجائے محبت و موافقت کے عداوت، اور بجائے نظر عزت کے دیکھنے کے ایک دوسرے کو تحقیر و ذلت کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور بجائے ذکر الٰہی کے غفلت الٰہی قلوب میں چھائی ہوئی ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ اس کے ذاکر کو اللہ تعالیٰ جنت دارالجلال میں بسائیں گے۔ جس کو اپنے نام سے اللہ تعالیٰ نے شہرت دی ہے تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ۔

کلمہ کے نکات

اس کلمہ میں بے شمار عجیب عجیب نکات ہیں۔ ایک یہ کہ کلمہ شریف کو جوفِ دہن سے تعلق ہے۔ لبوں سے کوئی لگاؤ نہیں یہ اشارہ ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنا خالص جوف یعنی قلب سے چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ تمام حروف اس کے بے نقط ہیں اس میں اشارہ ہے کہ خداتعالیٰ کے سوا ہر ایک سے تجرد کرنا چاہیے۔ اس کے ذکر میں ہر ماسوا کے خیال سے قطع تعلق کرنا چاہیے۔ ماسوی اللہ کی گرفتاری اور تعلق سے دل کو صاف کرنا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ ایک برس کے بارہ مہینہ ہیں اسی طرح کلمہ شریف میں بارہ حرف ہیں۔ اس میں یہ بھید ہے کہ جو شخص دلی عقیدتمندی سے اس کو پڑھے گا اس کے ایک سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ چوتھے یہ کہ رات دن کے چوبیس گھنٹہ میں اس کلمہ کے حرف بھی محمد رسول اللہ کو ملا کر چوبیس ہیں تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اس متبرک کلمہ کو دن بھر میں ایک دفعہ پڑھے گا

اس کا ہر ہر حرف رات اور دن کے ہر ہر گھنٹہ کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ پانچویں یہ کہ اس میں سات کلمہ ہیں اور دوزخ کے بھی سات دروازے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس کا ہر ہر کلمہ دوزخ کے ہر دروازہ کو اس کے پڑھنے والے کے لئے بند کر دے گا۔

حکایت

اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ کتاب الحقائق میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے عرفات میں وقوف کیا اس کے ہاتھ میں سات کنکریاں تھیں۔ جب کنکریوں کو پھینکنے لگا تو ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا اے کنکریو گواہ رہو۔ میں بصدقِ دل کہتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہہ کر کنکریوں کو پھینک دیا۔ اس شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ خدا تعالےٰ کا تختِ انصاف بچھا ہوا ہے۔ حساب و کتاب ہو رہا ہے۔ اعمال تُل رہے ہیں۔ اس شخص کی بھی باری آئی۔ اس کے گناہ نیکیوں پر غالب رہے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں جانے کا حکم ملا۔ فرشتے کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے آئے۔ جب یہ شخص دوزخ کے دروازہ پر پہنچا تو انہیں کنکریوں کو دیکھا کہ دوزخ کے دروازہ پر موجود ہیں اور اسے دوزخ میں جانے سے بچاتی ہیں۔ دوزخ کے دربان ان کنکریوں کو ہٹانے میں کوشش کرنے لگے۔ مگر ناکام رہے۔ جب سب عاجز ہو گئے تو اس کو عرش کے نیچے لائے ادھر کنکریاں بھی پیچھے پیچھے سفارشی بن کر پہنچیں۔ چنانچہ ان کی سفارش

قبول ہوگئی اور اس شخص کو جنت میں لے جانے کا حکم ہوا۔

کلمہ اور بخشش

یہ ہیں کلمہ شریف کی خوبیاں جو بیان میں آئیں۔ ایک شخص بنی اسرائیل میں سے تھا جو چار سو اسی برس اپنے رب کی نافرمانی میں رہا۔ ایک روز محبتِ الٰہی نے اس کے قلب میں جوش مارا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُوْسٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے موسیٰ خدا تعالیٰ نے اس کے چار سو اسی برس کے گناہ بخش دیئے پھر کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ ایماندار بندے کے گناہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے بخش دیں؟ حدیث شریف میں ہے کہ جسوقت بندہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے تو اوپر سے ایک فرشتہ اُسے آسمان پر لے کر چڑھتا ہے اور ادھر سے ایک اور فرشتہ اس کے استقبال کے لئے اُترتا ہے۔ اوپر سے آنے والا فرشتہ اس سے پوچھتا ہے تو کہاں سے آتا ہے یہ کہتا ہے اور تو کہاں جاتا ہے اوپر کی طرف چڑھنے والا فرشتہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے کلمۂ توحید کی شہادت لے کر اس کے رب کی طرف جا رہا ہوں، یہ سُن کر دوسرا فرشتہ کہتا ہے اور میں اس واسطے نیچے اتر رہا ہوں کہ اسے دوزخ کے عذاب سے خلاصی کی خوشی سناؤں۔

حضرت امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے زبیدہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا کہا کہ اے شخص خدا تعالیٰ نے مجھے چار کلموں کے سبب

بخش دیا جن کو میں حرزِ جاں بنائے ہوئے تھی۔ پہلا کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اُفْنِیْ لَهَا عُمُرِیْ دوسرا کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اُدْخِلُ بِهَا قَبْرِیْ تیسرا کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اَخْلُوْ بِهَا وَحْدِیْ۔ چوتھا کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اَلْقٰی بِهَا رَبِّیْ۔

کلمہ اور دوزخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گذر ایک مقبرہ پر ہوا۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ کَیْفَ وَجَدْتُمْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اے کلمہ لا الہ الا اللہ کے کہنے والو تم نے اس کلمہ کو کیسا پایا آواز آئی ہم نے اس مقدس کلمہ کو ہر ہلاکت و بلا سے نجات دینے والا پایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی نفع و ضرر کا پہنچانے والا نہیں ہے اس کے سوا نہ کوئی عزت دینے والا ہے نہ کوئی ذلیل کرنے والا، اس کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرش کے نیچے سے ایک منادی نداء کرتا ہے کہ اے جنت! تو اور تیری ابدی نعمتیں کس کے لئے ہیں؟ جواب دیتی ہے کہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہوں اور اس پر حرام ہوں جو کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا انکار کرے! دوزخ کہتی ہے کہ مجھ میں وہی شخص رہے گا جو کلمہ سے انکار کرے گا۔

توحید خالص

کلمہ شریف کا کہنے والا چار حالتیں رکھتا ہے. مثل پوست. قشر. لب، لب لباب. جس طرح بادام کہ اوّل اس کا اوپری پوست ہے دوسرا باریک چھلکا، تیسرا اس کا مغز، چوتھا اس کا تیل اور اصل شے تیل ہے مگر اس کا حصول موقوف ہے مغز بادام کی مرطوبیت پر اور مرطوبیت موقوف ہے قشر پر اور اس قشر کا بقاء موقوف ہے پوست پر. غرضیکہ ہر ایک اپنے وجود و بقائیں دوسرے کا محتاج ہے، جیسے صرف آم کا چھلکہ بدوں گٹھلی و رس بے کار ہے تو رس بھی بدوں پوست غیر محفوظ ہے. صرف زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا اور دل کا بالکل غافل ہونا مثل چھلکے زیریں کے ہے، جس طرح منافق کی توحید کہ جب تک دنیا میں رہتا ہے، نفع دیتی ہے کہ اس کے ساتھ وہی معاملے کئے جاتے ہیں جو مومن کے ساتھ کہ ان سے وہ متنفع ہوتا ہے. لیکن جب دنیا سے کروٹ لیتا ہے تو دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جاتا ہے اور مغز بادام کی طرح مومن کی توحید ہے کہ وہ مغز دیگر فضلات کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے اسی طرح مومن دنیاوی نمائش کے اندر بھی التفات کرنے سے خالی نہیں اور اب لب لباب مثل روغن بادام کے ہے کہ کسی شے کے ساتھ مخلوط نہیں. اسی طرح عارف کی توحید خالص ہے ماسوی اللہ سے خالی ریاء و سمعہ سے مامون ہے اس کی نظر میں بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی چیز سماتی ہی نہیں اس کی آنکھیں خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی

چیز کو دیکھتی ہی نہیں کیا خوب کہا ہے ؎

بدیدارِ جاناں زجاں مشتغل　　بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

"بوجہ دیدار دوست کے اپنی جان سے غافل ہوں، اور بسبب ذکر دوست کے جہان سے غافل ہوں"

کلمہ کی اہمیت

حضرت جنید بغدادیؒ سے بحالتِ نزع لاالہ الااللہ کی تلقین کی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا میں اپنے خدا کو بھول گیا ہوں؟ جو اب یاد کروں۔ یعنی وہ تو میرے دل میں ہر وقت موجود ہے۔ حضرت جنید ہی کا دوسرا واقعہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے ارادہ سے چلا میری اونٹنی شہر قسطنطنیہ کی طرف مڑ گئی۔ میں نے اسے بہت کچھ روکا اور مکہ معظمہ کی طرف موڑا مگر وہ قسطنطنیہ ہی کی طرف چل نکلی جب بار بار ادھر ہی مڑتی رہی تو میں نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ جب وہ قسطنطنیہ میں داخل ہوئی تو وہاں لوگوں کو بہت پریشان پایا۔ حیران ہو کر اس کا باعث دریافت کیا معلوم ہوا کہ بادشاہ کی بیٹی مجنون ہو گئی ہے اور لوگ طبیب کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ ابھی میں اس کا علاج کر دوں گا۔ مجھے وہاں پہنچا دو جب میں وہاں پہنچا تو شاہزادی نے اندر سے مجھے آواز دی کہ اے جُنید ہر چند کہ تو اپنی اونٹنی ہماری طرف سے پھیرتا تھا، مگر دیکھ ہمارا جذبہ تجھے یہاں

تک کشاں کشاں کس طرح لے آیا میری جوں ہی اس پر نظر پڑی، دیکھا کہ ایک لوہے کا بھاری طوق اس کی گردن میں پڑا ہوا ہے۔ پاؤں میں زنجیریں جکڑی ہوئی ہیں۔ کہنے لگی کہ اے جنید میرے مرض کی کوئی دوا تجویز کیجئے۔ میں نے کہا تو لا الہ الا اللہ کہہ بس اس کا کہنا تھا کہ گردن سے طوق اور پاؤں سے بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں اور اچھی خاصی تندرست ہوگئی شاہزادی کے باپ نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ تو بہت اچھا طبیب ہے مجھے بھی کوئی دوا بتا میں نے کہا تو بھی یہ ہی کلمہ پڑھ۔ یہ سن کر بادشاہ نے بھی پڑھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس کے ساتھ بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔

حضرات یہ کلمہ شریف ایسی بلند رتبہ شے ہے کہ اسی کے قائم اور باقی رہنے کے لئے تمام عبادتیں اور طاعتیں بلکہ تمامی شریعتیں حق تعالیٰ نے بندوں کے لئے تجویز فرمائیں۔ معرفت الٰہی کا ذریعہ یہی کلمہ شریف بواسطہ عبادات وطاعات ہے۔ باطنِ قلب سے اس کا ورد ہو تب، درد والفت میں حلاوت اور معرفتِ خالقِ متعال سے عارف باللہ ہو تب، پھر زندگی وموت دونوں کے مزے نصیب ہوں۔ کیا خوب کہا ہے ؎

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح وخضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں بلادِ روم میں جانے کا خیال گذرا میں نے اپنے دل سے مشورہ لیا کہ اس سے بیت المقدس یا مدینہ طیبہ کی جانب چلنا بہتر ہوگا۔ مگر دل نے نہ مانا۔

اگرچہ میں نے بہت کچھ سمجھایا بالآخر روم ہی کی طرف جانے کا پختہ ارادہ ہوگیا۔ جب میں روم پہنچا تو وہاں کے آدمیوں کو ایک موقع پر جمع پایا اور ایسا معلوم ہوا کہ کسی بڑی مشکل میں اور عجیب الجھن میں گرفتار ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک لڑکی دیوانی ہوگئی اور وہ بادشاہ کی لڑکی ہے میں نے اس کے علاج کا وعدہ کیا لوگوں نے کہا کہ کیا آپ طبیب ہیں؟ میں نے کہا کہ طبیب نہیں، بلکہ طبیب کا غلام ہوں لوگ مجھے بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس لے گیا شہزادی نے مجھے دیکھتے ہی کہا اے خواص! مجھے اسی طبیب نے جنون میں ڈالا ہے جس کا تو اپنے آپ کو غلام بتاتا ہے۔ سن! میرے اس مرض کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شب میں اپنے عیش وعشرت میں مصروف تھی کہ دفعتہً جذبِ الٰہی نے میرے دل میں ایک انوکھی کشش پیدا کی اور مجھے اپنے قرب خاص میں کھینچ لیا۔ ذکرِ الٰہی میری زبان پر جاری ہوگیا۔ دنیا کی طرف سے میں نے کروٹ لے لی۔ ایک آواز سریلی دل لبھانے والی کو میں نے سُنا، کوئی کہتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّ الرَّسُوْلُ اَحْمَدُ۔ میں نے شہزادی سے کہا کہ ہمارے شہرِ اسلامی میں سکونت کی خواہش رکھتی ہے؟ اس نے کہا بھلا خواص رحؒ میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟ میں نے کہا وہاں بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ متبرک مقامات ہیں۔ کہنے لگی اچھا ذرا سر اوپر اٹھا کر دیکھو۔ میں نے جو اپنا منہ اوپر کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خانہ کعبہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس ہوا

میں میرے سر کے ارد گرد گھوم رہے ہیں، پھر کہنے لگی کہ اے خواص! جو شخص اس راہ کو دل سے طے کرتا ہے تو کعبہ معظمہ خود اس کا طواف کرنے آتا ہے، اس کے بعد شاہزادی نے جوش مسرت کے لہجہ میں کہا کہ اے خواص! اب دوست سے ملنے کا وقت قریب ہے میں نے کہا کہ بلادِ کفر میں موت کیسی؟ کہنے لگی کیا مضائقہ ہے۔ پوست، ہڈی بلادِ روم میں ہوں گی روح کی نسبت خاص جناب الٰہی کی جانب ہو گی یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گئی، اسی وقت آواز آئی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (پ۳۰ سورہ فجر)

اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو۔

نظرِ الٰہی کا محل

غفلت بُری چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ "اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبان برابر تر رکھو" سارے کام دینی و دنیوی اسی سے بنتے ہیں۔ اس کے مضمون میں غور کریں اور دل سے ماسوی اللہ کی محبت نکالیں، جس کے لئے بندہ پیدا ہوا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ جو اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ ان کی مدح فرمائی ہے جمع خواطر (یعنی جمعیتِ قلب)

مامور بہ ہے، اس کا طریق یہی وردِ کلمہ طیبہ کا ہے کہ دل کی رغبت سے ہو، وہ ذات بڑی رحیم کریم ہے، مگر خلوص درکار ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ بلا کسی غرض کے صرف ذات حق کا حق اور حکم سمجھ کر طاعت کو بجا لایا جاوے۔ غور کیا جاوے کہ جب نیت فاسد سے مخلوق بھی کسی کی شے قبول نہیں کرتی جو کہ کثافت میں ملوث ہے تو کیا کہنا اس ذات حق کا جس کا اسم لطیف و قدوس ہے کہ ہماری کوئی طاعت خالص و شفاف نہیں مگر پھر بھی اپنے اسم رحیم ورحمٰن سے نواز لیتے ہیں۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ "اللہ تعالیٰ کے پاس تو تمہارا التقوٰی یعنی تمہارا خلوص پہنچتا ہے نہ کہ قربانی کے جانور کا گوشت و خون — نیز ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں پر نظر نہیں فرماتے اعمال و قلوب کو دیکھتے ہیں"

غور کیجیے! جس چیز کو مخلوق دیکھے یعنی صورت، اس کو تو صابن سے صاف کریں پوڈر لگائیں اور قلب جو محل ہے نظرِ الٰہی کا اس میں تعلقاتِ اغیار کا میل اور رعونت وحسد و ریا کی غلاظت بھری پڑی ہو جس کے متعلق یوں کہنا بجا ہے ؎

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل ۔۔۔ واندروں قہر خدائے عزّ و جل

"یعنی باہر سے تو کافر کی قبر بڑی مزین ہے لیکن اگر اندر سے دیکھا جاوے تو خدائے عزّ و جل کے قہر سے پُر ہے"

واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک نصرانی راہب جو دوسرے راہبوں کا سردار تھا۔ گرجا میں رہا کرتا تھا۔ جب گرجا سے باہر نکلتا تو صلیب کی طرف منہ کرتا اس سے منہ پھیر کر نہ چلتا، ایک دفعہ اس کے بیٹے نے طوفان و تلاطم کے زمانہ میں بحری سفر اختیار کیا۔ اس لیے اس کو بیحد پریشانی تھی ہر وقت اس کی خیریت معلوم کرنے کے انتظار میں رہتا تھا دفعتہً اس کو خبر ملی کہ وہ بعافیت و سلامت آ گیا۔ اس فرطِ محبت میں وہ بیٹے سے ملنے کو گرجا سے باہر نکلا اور اپنی اس عادت کو بھول گیا کہ صلیب سے منہ نہ پھیرے اس کی طرف پشت ہو گئی۔ جب بیٹے سے مل چکا تو یاد آیا کہ صلیب سے روگردانی ہو گئی فوراً واپس آ کر راہبوں سے کہا کہ ایسا ہو گیا راہبوں نے کہا کہ اُس کی سزا میں سَو دُرّے مارے جائیں۔ انہوں نے مارنا شروع کیے حتیٰ کہ سو پورے کر دئے لوگوں کا خیال تھا کہ ضرب کے سبب صلیب کے متعلق اب نیت بدل گئی ہو گی مگر بجائے اس کے کہ چوٹ کا اثر لیتا اور صلیب کی عبادت سے رُکتا۔ ہوا تو یہ ہوا کہ ان سے چھری لے کر ٹخنوں سے اپنے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے اور کہا کہ یہ ہے سزا اس کی جو اپنے آقا سے منہ موڑے اور پیٹھ پھیرے، جب گمراہ اہل باطل سے باطل کے ساتھ رُوگردانی ہو جانے پر ایسا ہو تو کیا حال ہونا چاہیئے، اہلِ حق کا جو خدا کی یاد سے غافل ہوں اور منہ موڑیں۔

حکایت

اُسی طرح ایک اور حکایت ہے کہ ایک شخص کسی صالح کے پاس ایک کپڑا ہدیہ لے کر گئے اور پیش کیا کہ اس کو پہن لیجیے۔ فرمایا میں نہیں قبول کرتا میں اسے ہرگز نہ پہنوں گا۔ جب اس نے اصرار کیا تو اسکی جو نیت تھی وہ ظاہر کردی اور کہا کہ میں تو صرف وہ کپڑا پہنتا ہوں جو خالص اللہ تعالیٰ کے نام کا ہو اور یہ ایسا نہیں اسکی نیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمائے ان کو کپڑا دینے کی برکت سے، ان کو اس نیت پر اطلاع ہوگئی اور نہ لیا۔ جب مخلوق کا یہ حال ہے کہ جو چیز غیر اللہ کے لئے ہو اسے قبول کرنے سے انکار کردیا تو کیا پوچھنا عالم الغیب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا، کیا کہنا اس ذات کا اگر خلوص کے ساتھ ایک کلمہ بھی منہ سے نکل جاوے تو انسان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

صنم اور صمد کا فرق

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک بوڑھا شخص تھا جس نے عمر کا بہت بڑا حصہ بُت کی پوجا میں صرف کیا تھا۔ اسے ایک مرتبہ بڑی مہم اور اہم کام پیش آیا۔ جس کے لئے اس نے اپنے بُت سے استغاثہ کیا اور گھنٹوں اس کے سامنے ناک رگڑی، گڑگڑایا، رویا، نذر بھینٹ بھی چڑھائی یوں بھی کہا اے صنم بڑی مدت تک پوجا پاٹ کی تیرے سامنے چڑھاوے چڑھائے۔ میں

نے کبھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ میرے حال پر کچھ تو ترس کھا۔ میری صورت حال پر نظر کر۔ مگر اس بُت بے جان پتھر کی مورت سے کوئی آواز نہ نکلی۔ یا صنم یا صنم کہتے تھک گیا۔ تب اُسے خیال ہوا کہ اچھا اب اس اکیلے کو پکارنا چاہیئے، جسے مسلمان اکیلا بے نیاز بتاتے ہیں۔ بالآخر تمام عمر کی غفلت و نادانی پر شرمندہ ہوکر کہنے لگا۔ اے بے نیاز خدا میری التجا قبول کر یعنی یا صمد میری فریاد کو پہنچ۔ آواز آئی۔ لَبَّیْکَ یَا عَبْدِیْ اُطْلُبْ مَا تُرِیْدُ۔ اے بندے میں موجود ہوں مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس پر فرشتوں نے کہا۔ اے ہمارے خدا تعجب ہے کہ اُس نے بت کو مدتوں پکارا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ آپ کو ایکدفعہ پکارا اور آپ کی طرف سے اسے لبیک کے ساتھ جواب دیا گیا۔ فرمایا اے میرے فرشتو! جب اس نے اپنے صنم کو پکارا جواب نہ ملا، ناچار ہوکر اکیلے صمد کو پکارا، اگر ہماری طرف سے بھی اُسے جواب نہ دیا جاتا تو مجھ میں اور اس بے جان بت میں فرق ہی کیا باقی رہتا حالانکہ صنم اور صمد میں فرق ہونا چاہیئے۔

ایک وہ تھے، جنہوں نے اس کی حقیقت کو پہچانا۔ اس سے حظ وافر لیا۔ اپنی جانیں تک مذکور پر فدا کردیں۔ آرے چلائے گئے منظور کیا۔ درندوں نے کھایا۔ قبول کیا۔ دریا میں ڈبویا تسلیم کیا۔ مچھلی نے نگلا دم نہ مارا۔ قتل گئے گئے راضی رہے۔ شہر سے نکالے گئے۔ بیوی بچے چھوٹے مکانات ضبط کئے۔ جائداد غصب کی گئی، تنگ حال ہوئے: غرض سب کچھ ہوا تفویضِ کامل کو اختیار کیا۔ آگ میں ڈالے گئے صبر تام فرمایا۔ موسیٰ وعلی

نبیناو علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانے والے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُوسٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والے پر فرعون نے سختی کی حتیٰ کہ آگ پر بڑا سا کڑھاؤ رکھ کر تیل ڈالا اور اس تیل پھکتے ہوئے میں اس مرد کو ڈال دیا۔ جبریل علیہ السلام نے فوراً اس میں سے نکال لیا۔ اسی طرح تین بار ایسا ہی ہوا کہ فرعون نے اُبلتے ہوئے تیل میں ڈالا اور جبریل علیہ السلام نے اس کو تینوں بار نکال لیا۔ آخر اُس کے متوالے نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ جناب آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے کڑھاؤ سے نہ نکالیں مجھے اسلام پر جان دینا کلمہ ہی پر قربان ہو جانا اس نت نئی تکلیف سے بہت بہتر ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے حق میں دعا کی فرعون نے پھر اس کو کڑھاؤ میں ڈالا وہ بے گناہ خدا کا عاشق اس تیل میں جل بھن کر کوئلہ ہو گیا حضرت جبریل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگے اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اجر بھی بڑھا دیا اور اسے بھی اجر عظیم بخشا۔ اس وقت اس کی روح کے داخل ہونے کے لئے جنت کے تمام دروازے کھول دیے گئے ہیں۔

مسلمانو! جب کلمۂ موسوی پر یہ انعام ہے تو کلمہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کچھ اجر ہو گا۔ شیدائی بھی بنو اور فدائی بھی۔ صورتوں سے معلوم ہو کہ کسی کے عاشق ہو اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کا پورے نمونہ ہو۔

اصحابِ کہف کی استقامت

ایک وہ زمانہ تھا جس میں دقیانوس بادشاہ نصرانی قوم مذہب مسیحی کا روم میں بادشاہت کرتا تھا چونکہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک زمانہ مدید گزر گیا تھا۔ ادھر اس بادشاہ میں مکر و رعونت اور ظلم بے حد بڑھ گیا تھا۔ اس لئے اپنے مذہب سے پھر کر رعایا کو بُت پرستی پر مجبور کرنے لگا۔ بتوں کے نام قربانیاں کرنے کا حکم دیا اور سنا دیا گیا جو ایسا نہ کرے گا اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اسی پر بس نہ کیا۔ بلکہ شہر در شہر گشت لگاتا اور ھزاروں کو بُت پرست اور سینکڑوں کو تہِ تیغ کرتا، پھر یہاں تک کہ اصحاب کہف کی بستی جس کا نام افسوس تھا پہنچا تو لوگوں نے دین ایمان بچانے کے لئے بھاگنا شروع کیا۔ بالآخر سپاہیوں کی معرفت گرفتار ہو کر آئے اور کوئی مقتول ہوا کسی نے اطاعت قبول کی، چند نوجوان جو اصحابِ کہف کے نام سے مشہور ہیں جو ایمان وصبر و توکل و زہد کے حالات سے منجانب اللہ تعالیٰ نوازے گئے۔ اور درجۂ ولایت سے سرفراز کئے گئے تھے اُن سے جس وقت بُت پرستی کے لئے کہا گیا تو بتوفیقِ حق تعالیٰ استقلال کی صفت جو اُن کے اندر عطا کی گئی تھی اس سے انہوں نے کام لیا اور سب سے بڑے حضرت مکسلمینا نے جواب دیا کہ ہم مالکِ زمین وسما سچے معبود کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہ کریں گے جو تیرا جی چاہے کر، ہم سے کفر و شرک کی توقع نہ رکھ، ان کے ساتھیوں نے بھی اسی کی تائید کی اور توحید پہ اتفاق ظاہر کیا۔ حضرت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ان ناموں کا علم ہے وہ شخص سات تھے،
کلیخا۔ مکسلمینا۔ مرطونش۔ تینونس۔ سیارمینونس۔ ذوتواس۔ کشفیطنونس اور
آٹھواں کتا جس کا نام قطمیر ہے۔ بادشاہ نے ان ساتوں کی یہ جرأت دیکھ کر
اُن کا لباس اتروالیا اور کہا کہ تمہاری اس نوجوانی اور حسن پر ترس آتا ہے،
اس لئے چند روز کی مہلت دیتا ہوں تاکہ عقل ٹھکانے آجائے اور غور کر
لو۔ یہ کہہ کر بادشاہ دقیانوس تو دوسرے شہر چلا گیا۔ ان مظلومین نے مشورہ
کیا کہ یہاں سے چلو اور کسی غار میں چھپ رہو، چنانچہ سب نے اپنے گھر
سے کچھ نقدی ساتھ لی اور شہر کے قریب جبل ینجلوس میں ایک بڑے
غار کے اندر جا چھپے وہاں سجدہ میں گر پڑے حق تعالیٰ کے سامنے زاری
کی اللہ تعالیٰ نے ان کی بے چینی رفع کرنے کے لئے ان پر نیند کا ایسا قوی
پردہ ڈالا کہ سب سو گئے ادھر دقیانوس لوٹ کر آیا۔ تو ان کو نہ پایا تو اُن
کی گمشدگی کا ایک کتبہ جس میں ان کا نام مع ولدیت اور پتہ نشان عمر حلیہ
وقت سب درج کر کے خزانہ میں داخل کر دیا۔ یہ نوجوان پورے تین سو
برس سویا کئے اور کتا جو اُن کے ساتھ ہو لیا تھا وہ بھی غار کی دہلیز پر
پڑا سوتا رہا اور سونا بھی اس طور پر ہوا کہ دھوپ کا اثر ان پر کسی وقت بھی
نہ پڑتا تھا اور نہ بارش ان تک پہنچتی تھی اور ہوا کا گذر کافی ہوتا، سوتے
ہوئے کروٹ بھی دلائی جاتی رہی، تاکہ مٹی جسم کو نہ کھاوے اور آنکھیں کچھ
کھلی کچھ بند، سانس کی آمد و رفت بھی درست رہی جس سے سوتے نہ سمجھے
جائیں تاکہ کسی کا ادھر گذر بھی ہو تو جاگتا سمجھ کر پریشان نہ کر سکے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ

نے ان کی راحت وحفاظت کا پورا سامان مہیا فرمادیا۔ سچ ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ جو اللہ کا ہوگیا اللہ تعالیٰ اُس کا ہوگیا۔ جب تین صدی گذر گئیں اور اس عرصہ میں تخت روم پر کئی بادشاہ گذر گئے۔ ملکی رسوم ورواج میں تغیر عظیم پیدا ہوگیا۔ یہاں تک کہ بیدروس نامی صالح عیسائی بادشاہ والی ملک ہوا، لوگوں کو ایمان کی طرف بلایا، مگر چونکہ رعایا کو بگڑے ہوئے قرن گذر گئے تھے اس لئے بہت سے ایمان لائے بہت سے نہ سنبھلے حشر ونشر کا انکار کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ نے دعا کی کہ بار الٰہا کوئی ایسی علامت عطا فرما کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو۔ تاکہ جس کو یہ ناممکن سمجھے ہوئے ہیں مشاہدہ میں آجائے اُن کی یہ دعا قبول ہوئی اور اصحاب کہف کو اٹھا کھڑا کیا چونکہ جس وقت سوئے تھے آفتاب قریب غروب تھا اور اب بھی تقریباً وہی وقت تھا۔ اس لئے باہم مدتِ خواب میں گفتگو ہونے پر جواب دیا کہ پورے دن یا کچھ کم سوئے ہوں گے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ۔ چونکہ ان کو طعام کی خواہش تھی اور ادھر اس کی فکر تھی کہ خدا جانے دقیانوس کی واپسی پر ہماری تلاشی کے متعلق کیا فیصلہ ہوا، اس لئے حضرت تملیخا کہ جن کے پاس سارا خرچ جمع کر کے رکھ دیا گیا تھا بھیجے گئے کہ خوش تدبیری کے ساتھ اپنے کو بچاتے ہوئے شہر میں جاویں اور تحقیق کر کے کھانا لاویں کہ بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا نہ ہو اور اپنا پتہ نہ چلنے دیں۔ حضرت تملیخا دقیانوسی سکہ لے کر دروازۂ شہر پر پہنچے تو دیکھا نہ وہ شہر ہے نہ بازار نہ وہ آدمی، نہ وہ طرزِ معاشرت، ایک وہ زمانہ تھا

کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی نام نہ لے سکتا تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ بہتیرے آدمی نمازیں پڑھتے اور صورت سے نیکوکار نظر آتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرانی سے ایک ایک کا منہ تکنے لگے، آخر اس خیال سے شاید میں بھول گیا ہوں، شہر کا نام پوچھا معلوم ہوا کہ وہی ہے، غرضیکہ اسی حیرانی میں ششدر رہتے تھے، سودا خریدنے کو سکہ نکالا تو لوگ پرانا دقیانوسی سکہ دیکھ کر حیران ہوتے اور شبہ ہوا کہ کہیں کوئی دفینہ پایا ہے۔ شدہ شدہ بادشاہِ وقت تک خبر پہنچی تو بیدروس نے ان کو بلا بھیجا اور تمام حال دریافت کیا شاہی خزانہ سے وہ تختی بھی برآمد ہوئی جس پر ان کی گمشدگی مکتوب تھی۔ آخر سب اُن کے غار پر آئے اور یہ غار میں داخل ہو کر سب باتیں کرنے کے بعد رخصتی سلام کر کے اسی غار میں دوبارہ وفات پا گئے۔ مفسرین میں اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا سوتے ہیں۔ بعض نے کہا وفات پا گئے۔ اس کے بعد بطورِ یادگار بیدروس بادشاہ نے ایک مسجد ان کے غار کے پاس بنوا دی۔ تاکہ علامت ہو کہ یہ عابد تھے معبود نہ تھے۔

ایصالِ ثواب کی صورت

آپ نے غور کیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہِ حق پر مستقل رہے، کسی آنے والی تکلیف کی پرواہ نہ کی، دقیانوس کے جور و ستم سے نڈر ہو کر وہ کیا جو ایک اہلِ حق کو کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر ظلِّ عاطفت و رحمتِ کاملہ کا نزول ہوا، ظالم کے شر سے محفوظ رہے اور ایمان بھی

باقی رہا۔ سچ ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ۔ ارے خدا کے بن جاؤ پھر کیا کمی، ان اصحاب کہف کے طرز عمل، ثباتِ قدم سے عبرت پکڑیئے اصل چیز عمل میں موافقت ہے نہ یہ کہ سگِ اصحابِ کہف کا توشہ کر دیا کالے کُتّے کو بُلا کر کھلا دیا، کیا اس کا کہیں قرآن وحدیث میں ذکر ہے کسی امام نے بیان فرمایا ہے کہ توشہ کیا کرو اس کا کہیں ذکر نہیں اور جس کا ذکر قرآن و حدیث وفقہ میں کہیں نہ ہو اور اس کو ضروری سمجھ کر ثواب کی نیت سے کیا جاوے بدعت ہے سخت گناہ ہے۔ ہاں جب وسعت ہو محبت وخلوص سے جس قدر چاہیں جب چاہیں جن کے لئے چاہیں۔ بلا قرض لیے جو چاہیں پکا کر ایصالِ ثواب کریں۔ یا نقد کپڑا یا جنس دے کر ثواب پہنچائیں اس سے انکار تو کیا ہوتا بلکہ ہم ترغیب دیتے ہیں کہ خوب اموات اور بزرگوں کو بخشو۔ بس اتنا کہنا ہے کہ شرعی حد میں کیجیے۔ جو طاعت وثواب کا کام قانون کے تحت میں کیا جائے وہی تو مقبول ہو سکتا ہے، نہ کہ خلافِ قانون، دیکھئے نماز پڑھنا کتنی بڑی طاعت ہے اگر دکھاوے کے ارادے سے ہو کیا کار آمد ہے؟ یا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو، یا زوال یا طلوعِ شمس وغروب شمس کے وقت ہو کہاں مقبول ہے؟ معلوم ہوا جس کام کو جس طرح کرنے کا حکم ہے، اس طرح کیا جاوے گا تب تو ماجور و مثاب ہوں گے ورنہ وقت بھی صرف، روپیہ بھی ضائع، بجائے ثواب گناہ، نہ خود کو کچھ ملا نہ مُردہ کو کچھ پہنچا۔ مُردوں کو ثواب بخشنے سے کوئی منع نہیں کرتا، غلط طریق اختیار کرنے سے منع کیا جاتا ہے، اس کو خوب سمجھ لیں۔

کلمہ طیبہ کے قائل کی ذمہ داری

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کلمہ شریف کی بیحد فضیلت ہے ہمارا دین متین، کل اسلام اسی میں منحصر ہے۔ افضل الذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کلمہ طیبہ کا مضمون توحیدی اگر قلب میں راسخ ہو جائے جم جائے تو تمام عبادات وطاعات سہل تر ہو جائیں۔ نافرمانی سے دل کو سخت بیزاری ہو کسی بادشاہ کو تسلیم کرنا اس کے حکم رساں وائسرائے کی تعظیم کرنا۔ اطاعت کرنا، محبت سے پیش آنا، نافرمانی سے ڈرنا، گریز کرنا اور جو قانون پہنچائے جائیں ان سب کو ماننا عمل کرنا یہ سب بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں۔ قانون کا بنظرِ توقیر دیکھنا قانونی کتاب کا اپنے کو محتاج سمجھنا، اس قانونی کتاب کے بعض جاننے والوں کا ہر جگہ موجود ہونا اس کتاب کی شرح سے پورا واقف ہونا اور نہ جاننے والوں کا بروقت ضرورت وحاجت اس قانون دان سے تہذیب واخلاق سلیقۂ ادب سے دریافت کرتے رہنا۔ اپنے معاملات کو قانون کے موافق سلجھانا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بروقت نزاع قانون کے تحت فیصلہ ہونا اور تسلیم کر لینے میں کچھ شبہ ہو تو اس سے اعلیٰ کی طرف رجوع کر کے اُس کے فیصلہ پر خاموشی سے راضی رہنا عملدرآمد کرنا فرض قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سب کیوں ہوا صرف بادشاہ کو بادشاہ ماننے پر جس سے یہ تمام ذمہ داریاں عائد ہو گئیں۔ لوازمات وفروعات لازم جان ومال ہو گئے۔ تمام حکام کی عزت وطاعت بادشاہ کی طاعت ہے۔ احکامِ عدالت کی توہین

بادشاہ کی توہین ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کلمۂ توحید کے قائل پر انبیاء و رسل کی اطاعت فرض ہے اور انبیاء و رسل کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ مستدل ہے (یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی پس گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی) اور نائبین رسل علماء کی اطاعت و عظمت لازم و علاماتِ ایمان سے ہے ہتک و توہین و استہزاء علماء خسران اور علاماتِ نفاق سے ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۵

اے ایمان والو! اللہ و رسول اور اپنے میں سے بہت علم دین رکھنے والوں کی اطاعت کرو لہٰذا اگر تمہارے آپس میں کوئی نزاع ہو جائے کسی بات میں تو اس کے فیصلہ کو اللہ و رسول سے چاہو کہ اس کے بارے میں قرآن و حدیث کی کیا رائے ہے، یہ ہے اے مومنو تمہارے لئے بہتر و احسن طریق۔

اسی ایمان کی پہچان کے لئے ارشاد فرمایا:۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ۵

(پ۵ سورہ نساء)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا۔ قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک ان معاملات میں جو ان کے درمیان ہوتے ہیں آپ کو حَکَم نہ بنائیں۔

اگر مسلمان اعمالِ صالحہ میں کچھ آزاد بھی ہو مگر اعتقاد و محبت رسول اور محبت علماء دین میں۔ نیز خدمتِ بندگان و ترحم مخلوق میں راسخ القلب ہو اور قبر میں ایمان کے ساتھ چلا جائے تو اس شخص نے بھی بڑے مرحلہ سے نجات پائی۔

کلمہ اور شہادتِ اعداء

یہ کلمہ شریف وہ چیز ہے، جس کی شہادت اعداء تک نے نجات دلانے میں دی ہے۔ ایک حکایت یاد آئی، ایک شخص جہاد کے ارادہ سے چلے راستہ بھول گئے۔ ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں دیکھا کہ نصاریٰ کی فوج جمع ہے اور بیچ میں ایک بڑی کرسی لگی ہوئی ہے۔ اُس شخص نے اُن کے جمع ہونے کا سبب پوچھا۔ ایک شخص نے اُن میں سے جواب دیا کہ ہمارے پاس سال بھر کے بعد ایک دفعہ راہب صاحب (اُن کے مذہبی عالم) تشریف لاکر کچھ وعظ و پند فرماتے ہیں یہ کرسی انہیں کے لیے ہے۔ وہ صالح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا بھیس بدل لیا اور ان جیسے کپڑے پہن کر وہیں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک راہب آیا اور کرسی پر بیٹھ کر چاروں طرف متجسّسانہ نظریں ڈال کر کہنے لگا اے حاضرینِ جلسہ! میں آج تمہیں کسی قسم کا وعظ نہیں سنانا چاہتا، کیوں کہ اس وقت تم میں امتِ محمدیہ کا ایک شخص موجود ہے یہ کہہ کر پھر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور بآوازِ بلند کہا۔ اے محمدی میں تجھے دین کی قسم دیتا ہوں کہ ہم سب کے سامنے آ کھڑا ہو، تاکہ ہم لوگ تیرے جمال جہاں آرا سے فیضیاب ہو جائیں۔ اس کلمہ کو سن کر مجھ سے رہا نہ گیا۔ مجبوراً کھڑا ہو گیا اور راہب کے سامنے آموجود ہوا۔ راہب بولا میں آپ سے چند سوالات کرتا ہوں، اُن کا جواب دیجیے۔

پہلا سوال و جواب

پہلا سوال یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ جنت میں رنگ برنگ کے

پھل اور طرح طرح کے میوے پیدا کئے گئے ہیں کیا دنیا میں ان جیسے پھل و میوے ہیں؟ میں نے کہا بیشک ان جیسے پھل ہیں، مگر نام و رنگ میں جنت کے پھلوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں مگر مزے ولذت میں مشابہت نہیں۔

دوسرا سوال وجواب

راہب نے دوسرا سوال کیا کہ جنت میں کیا کوئی ایسا گھر اور بالاخانہ نہیں کہ جس میں شجرہ طوبیٰ کی ایک شاخ موجود نہ ہو۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہے؟ میں نے کہا ہاں دیکھو جب آفتاب آسمان کے وسط میں پہنچتا ہے تو جس طرح شجرہ طوبیٰ کی شاخیں تمام مکانوں میں ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ اسی طرح اس وقت آفتاب کا نور ہر جگہ پھیل جاتا ہے۔

تیسرا سوال وجواب

راہب نے تیسرا سوال کیا کہ جنت میں چار نہریں ہیں، جن کے مزے تو مختلف ہیں۔ مگر ان کا منبع اور جڑ جہاں سے وہ نکلتی ہیں ایک ہی ہے، کیا دنیا میں اس کی بھی کوئی نظیر پائی جاتی ہے؟ میں نے کہا بیشک اس کی بھی مثال دنیا میں موجود ہے، دیکھو کان کا پانی تلخ ہے، آنکھ کا کھاری، ناک کا بودار، منہ کا شیریں، یہ چاروں پانی مزے اور بُو میں مختلف ہیں مگر ان سب کی اصل ایک ہی ہے اور وہ دماغ ہے۔

چوتھا سوال وجواب

چوتھا سوال راہب نے یہ کیا کہ مجھے یہ پوچھنا ہے کہ جنت میں ایک

اتنا بڑا تخت ہے جس کا طول پانچ سو سال کی مسافت ہے، یعنی اگر کوئی شخص پانچ سو برس تک چلے، جب کہیں جا کر اس کا طول ختم ہو، مومن جب اس تخت پر چڑھنا چاہے گا تو وہ اس کے آگے جھک جائے گا اور جب مومن اس پر آرام سے بیٹھ جائے گا تو پھر وہ تخت اسے ہوا میں لے کر بلند ہو جائے گا تو کیا دنیا میں اس کی بھی کوئی نظیر ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۔ (پ۳۰ سورۃ غاشیہ)
کیا نہیں دیکھتے وہ اونٹ کی طرف کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا۔

یہ آنکھوں دیکھی بات ہے کہ اونٹ اپنا سر زمین کی طرف جھکا دیتا ہے پھر اپنے سوار کو لے کر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ راہب بولا اے کریم النفس بس مجھے صرف ایک اور سوال کرنا باقی ہے۔

پانچواں سوال و جواب

وہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ اہل جنت طرح طرح کے کھانے کھائیں گے اور قسم قسم کی شرابیں پیئیں گے۔ مگر نہ ان کو پیشاب کی حاجت پڑے گی، نہ پاخانہ کی۔ کیا دنیا میں اس کی بھی کوئی نظیر ہے؟ میں نے کہا ہاں دنیا میں اس کی مثال موجود ہے۔ دیکھو جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے تو وہ جس چیز کی خواہش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسی چیز کے کھانے کی خواہش ماں کے دل میں ڈال دیتا ہے اور قدرتِ خدا سے وہی غذا بچہ کی خوراک بن کر بچے کے پیٹ میں پہنچتی ہے۔ مگر جب تک وہ بچہ

پیٹ میں رہتا ہے نہ تو پاخانہ ہی کرتا ہے اور نہ پیشاب ہی کرتا ہے!
راہب خاموش ہوگیا۔

راہب سے ایک سوال

میں نے اس سے کہا کہ آپ نے مجھ سے پانچ سوالات کئے ہیں نے ہر ایک کا جواب دیا جس کو آپ نے تسلیم کیا اب میں آپ سے بھی صرف ایک سوال کرتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی اس کا جواب دیں گے۔ وُہ یہ ہے کہ تم بتاؤ کہ جنّت کی کنجی کیا ہے؟ راہب اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو! اس شخص نے جنت کی کنجی مجھ سے پوچھی ہے سو تم ہوشیار ہو جاؤ، چوکنا ہوکر سنو! کہ میں نے گذشتہ آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جنت کی کنجی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔
یہ کہتے ہی راہب بھی مسلمان ہوگیا اور بہت سی مخلوق اسلام میں داخل ہوگئی۔

مسلمان کا مونس

یہی وہ کلمہ طیبہ ہے جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریلؑ نے خبر دی کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مسلمان کا مونس اور رفیق ہے اس وقت بھی جب کہ موت کی بے چین کر دینے والی تصویر اس کے سامنے پیش کی جائے گی اور اس وقت بھی جب کہ قبر کی ظلمت خیز تاریکی چاروں طرف سے اس پر چھا جائے گی اور اس وقت بھی جبکہ قبر سے نکل کر حشر کے حسرتناک میدان میں چلے گا، جنت کا توشہ یہی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ یہ کلمہ طیبہ وہ چیز ہے، کہ صرف زبان سے ادا ہو، گو دل حاضر

نہ ہو دس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر حضوری دل سے ہو یعنی آخرت کی طرف مائل ہو تو سات سو نیکیاں اور اگر اس وقت خاص خدا کے ساتھ دل کا تعلق ہو تو اس قدر نیکیاں ملتی ہیں جو مشرق و مغرب کو بھر دیں۔ حقیقت یہی ہے کہ جو شخص اپنی ہستی کو فنا کرتا ہے۔ اپنی ذات کو لاشے کے تصور میں راسخ کر دیتا ہے وہ بقا کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور باقی باللہ کے ساتھ ملقب ہو جاتا ہے فنا آتی ہے تو صرف صورت کو آتی ہے۔

حکایت

اس پر ایک حکایت یاد آئی حضرت موسیٰ وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ آگ کی پرستش کر رہا ہے آپ نے اُس کے پاس جا کر فرمایا کہ کیا ابھی تیرا خدا تعالیٰ کی بندگی کی طرف رجوع کرنے کا وقت نہیں آیا؟ وہ بولا اے موسیٰ بھلا اگر میں اب اس کی طرف رجوع کروں تو کیا وہ میری توبہ قبول کر لے گا؟ فرمایا ہاں اس کی یہی شان ہے کہ اپنی طرف رجوع ہونے والوں کی توبہ کو ہمیشہ قبولیت کا جامہ پہناتا رہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہِ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

وہ آتش پرست بولا اگر یہی بات ہے تو آپ مجھ پر اسلام پیش کیجئے اب مسلمان ہوتا ہوں چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ حتیٰ کہ اُس پر غشی طاری ہو گئی حس و حرکت غائب ہو گئی۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے جو تھوڑی دیر میں ہاتھ لگا کر ہلایا تو مردہ پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت تعجب ہوا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے فرمایا اے موسیٰ کیا تمہیں معلوم نہیں جو ہم سے مصالحت کرتا ہے، ہماری طرف رجوع کرتا ہے ہم اس سے راضی ہو جاتے ہیں جو ہمارا قرب چاہتا ہے ہم اسے مقرب بنا لیتے ہیں۔ میں نے اے موسیٰؑ اس کو مقرب بنا لیا، مقربین کے مکانوں میں جگہ دی۔ یہ کلمہ ایسی چیز ہے جب دیگر کلموں میں یہ اثر ہے تو کیا کہنا کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا۔

نعمت اسلام

حضرت مالک بن دینارؒ کے زمانہ میں دو مجوسی حقیقی بھائی تھے ایک زمانہ آگ کی پرستش میں گذار دیا تھا ایک دن چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا بھائی ہم کو ایک زمانہ دراز آگ کی پوجا کرنے میں صرف ہو گیا آؤ آج جانچ کریں کہ یہ آگ ہم کو جلاتی ہے یا نہیں اگر جلا دیا تو اس کی عبادت سے دستبرداری کریں گے ورنہ دائماً اس کی عبادت میں مستغرق رہیں گے یہ کہہ کر دونوں بھائیوں نے آگ میں ہاتھ ڈال دیئے۔ وہاں رکھا گیا تھا۔ آگ نے فوراً جلا دیا ؎

اگر صد سال گبر آتش فروزد   اگر یکدم درو افتد بسوزد

"یعنی اگر ایک آتش پرست سو سال تک بھی آگ روشن کرے تو جب کبھی اس میں ہاتھ ڈالے گا تو اس کو بھی جلا دے گی۔"

دونوں بھائی بقصد قبولِ اسلام مالک بن دینارؒ کی خدمت میں

پہنچے چھوٹا بھائی اسلام لے آیا اور بڑے بھائی نے انکار کر دیا، یہ چھوٹا بھائی اسلام لا کر جنگل میں عبادت میں غرق ہو گیا شام کو جب واپس ہوا تو بیوی نے کہا کہ ہمارے لئے کچھ کھانے کے لئے بھی لائے۔ فرمایا بادشاہ کا کام تو کیا مگر مزدوری کل ملے گی۔ غرضیکہ اسی طرح تین روز ہو گئے۔ تیسرے روز یہ شیدائی اسلام عابد جنگل پہنچا تو دعا کی اے رب جب تو نے پاک مذہب میں داخل کر کے عزت بخشی ہے تو بیوی بچوں کے خرچ کا فکر بھی اٹھا دیجیے۔ جب شام ہوئی اور عبادت سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا تو بال بچوں کو نہایت مسرور پایا، کھانے کا سامان کافی دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے پاس یہ کھانا کہاں سے آیا؟ بیوی بولی آج ظہر کے وقت ایک شخص خوشنما طباق میں ہزار دینار لیے ہوئے آئے اور مجھے دے کر چلے گئے اور کہہ گئے اپنے میاں سے کہدینا کہ تیری یہ ان دو دن کی مزدوری ہے۔ جن میں تو نے بادشاہ کا کام کیا تھا۔ بیوی ان میں سے ایک دینار لے کر صرّاف کے پاس گئی۔ صرّاف نصرانی تھا اس نے دینار بہت غور سے دیکھا پھر کہنے لگا یہ دینار تو دنیاوی دیناروں کی جنس سے معلوم نہیں ہوتا، بلکہ آخرت کے تحفوں میں سے ہے۔ سچ بتا یہ دینار تیرے پاس کہاں سے آیا۔ میں نے سارا قصہ کہدیا، وہ میری سرگذشت سن کر مسلمان ہو گیا اور مجھے ہزار درہم دے کر سجدے میں خدا کے آگے گر پڑا اور بندگانِ شاکرین میں سے ہوا۔ الحمد للہ علی نعمۃ الاسلام اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نعمتِ اسلام سے نوازا اور یہ نعمت ہی کافی ووافی

ہے۔
شکر گذار رہو کہ آپ کو اسلام دین محمدی میں ہونے کی دولت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی مگر آہ اللہ تعالیٰ شکایتاً فرماتے ہیں۔ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ کہ میرے بندے کم شکر گذار ہیں۔ یہ دولتِ ایمان وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ	یعنی میری رحمت وسیع ہے ہر شے کو
فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ	بس یہ رحمت اس کے لئے ثابت رکھوں گا
وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ	جو خوف کھائیں اور زکوٰۃ دیں اور
ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ہ (پ۹ سورۂ اعراف)	ہماری آیتوں پر ایمان لائیں۔

کلمہ کے خواص

اس آیت میں غور کرو کہ اپنی رحمت مؤمنین متقین کیلئے اللہ تعالیٰ نے ثابت فرمائی کہ اوّل ہی دخولِ جنت ہوگا اور نفسِ ایمان بلا تقویٰ پر اوّلاً دخولِ جنت کا وعدہ نہیں۔ پھر بلا نماز روزے وغیرہ کے مومنین کا یہ کہنا کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں باوجود ترکِ طاعت نافرمانی اور بدون سزا و تادیب بخش دیں گے۔ یہ شیطانی چال ہے اس کو غرور و دھوکہ کہا جاتا ہے۔ حضرت علی بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ بسلسلہ صحیح باسنادِ ثقات کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے اپنے آباء کرام سے سنی ہو۔ یہ سن کر فرمایا۔ اچھا سنو۔ مجھے میرے والد بزرگوار موسیٰ نے ان کو والد جعفر نے ان کو والد باقر نے ان کو والد

زین العابدین نے ان کو والد حسین نے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت فخر رسل خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کی دلی معرفت۔
زبانی اقرار اور عمل بالارکان ۔ یہ کلمہ شریف وہ اعلیٰ اور ارفع شے ہے جس
سے تمام انبیاء علیہم السلام نے عالم ارواح و ملکوت میں فیض لیا اور
عالم اجسام اور ناسوت میں صحابہ کرام، اولیاء عظام اور مومنین عوام نے
اپنی اپنی استعداد کے موافق سیرابی حاصل کی۔ سب سے اوّل حضرت
آدم علیہ السلام نے جبکہ روح و عقل و علم و معرفت الٰہی کا دخول ہوا۔ اس
وقت انہوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ مگر کپکپا کر گر گئے۔ پھر کھڑے
ہونے کا ارادہ کیا۔ پھر گر گئے، جیسے بچے شروع میں کھڑا ہونا چاہتے
ہیں تو گر جاتے ہیں پھر حق تعالیٰ نے اس حالت میں کہ حضرت آدم علیہ
السلام ایک پاؤں نیچے رکھے ہوئے اور دوسرے پاؤں کا گھٹنا زمین
پر ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ مشاہدہ نصیب فرمایا اس وقت آپ کی زبان
سے نکلا۔ اَللّٰہ ۔ اَللّٰہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی
اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اسی لئے کہا گیا ہے تمام بنی آدم حضرت آدمؑ سے
ہیں۔ وہ اپنے باپ کے تکلم کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو اختیاراً
واضطراراً کہنے پر فریفتہ ہیں کوئی ملت کوئی مذہب اس کی افضلیت کو
جاننے سے ناواقف نہیں چنانچہ وید میں ہے ؎

لَآ اِلٰہَ ہرتی پاپن اِلَّا اللّٰہُ پرم پدم
جنم بیکنٹھ پُرآپ نیوتی تو جپیو نام محمدؐا

خلاصہ اس کا یہ ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے خواص ازروئے تعلیم وید بیان کرتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ کا پڑھنا تمام گناہوں کو جلا دیتا ہے اِلَّا اللّٰہُ قلب میں معرفت وسوز پیدا کرتا ہے اور اگر پاکیزہ اور ابدی زندگی چاہتے ہو تو محمدٌ رَّسُولُ اللہ بھی ساتھ ساتھ پڑھو یعنی آپ کی رسالت کا اقرار کئے بغیر عیش ابدی یعنی بہشت نہ ملے گی۔

شرطِ ایمان

مگر صرف افضل جاننے کو ماننا لازم نہیں اسی لیے باوجود اس جاننے کے غیر مسلم مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ ماننے کا نام ایمان ہے، جاننے کا نام نہیں۔ جان پہچان کو تو کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے۔ جیسے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے کہ جس میں اشتباہ کا نام نہیں ہوتا، چنانچہ ارشاد ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ یعنی آپؐ کو وہ ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ باوجود اس معرفت وعلم کے وہ مومن نہ ہوئے کافر ہی رہے۔ کیونکہ شرطِ ایمان یہ ہے کہ دل سے احکام شرعیہ تسلیم کرنا اور اس میں تنگی نہ ہونا۔ جیساکہ ارشاد ہے۔ قسم کھاکر۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں قسم ہے

ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

القرآن الحکیم : پ ۵

آپ کے رب کی یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اُن معاملات میں جو اُن کے درمیان ہوتے ہیں آپ کو حَکَمْ نہ بنا دیں گے یعنی جب تک کہ ان معاملات میں اپنی رائے پر آپ کے فیصلہ کو مقدم نہ رکھیں گے مسلمان نہ ہوں گے۔ اور اسی پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ آگے فرمایا حضورؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں آگے بطور علامت تنگی قلب نہ ہونے کے فرمایا وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ اس پر عمل بھی مضبوطی سے شروع کر دیں۔

یہ ہے ایمان۔ کہ احکام شرعیہ کو دل سے ماننے کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور پھر عمل بھی شروع کر دینا یہ کمالِ ایمان ہے اپنے ایمان کو کسوٹی پر کسیں پرکھیں وہ ذات صمدی بے حد اجر عطا فرمانے والی ذات ہے کمی ہماری طرف سے ہے ؎

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

کلمہ کے چند فضائل

وہ تو ایسی شان والے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو اس کے آسمان پر جانے کے لئے آسمان کی چھتیں پھٹ جاتی اور راہیں بن جاتی ہیں اور جب یہ کلمہ اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے۔

تو پورے چاند کی طرح تاباں ہوتا ہے اور دوسرے اعمال اُس کے ارد گرد ایسے نظر آتے ہیں جیسے ستارے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو اس کے لئے جنت میں سُرخ یاقوت کا ایک درخت لگایا جاتا ہے جس کے پتے گدرے ہے اور تنے خالص سفید مشک کے ہوتے ہیں، اس کے پھل کا مزہ تو شہد سے زیادہ میٹھا۔ رنگ بَرف سے زیادہ سفید۔ مشک سے زیادہ خوشبو دار ہے اس پر ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! جب یہ بات ہے تو اب ہم اسے بکثرت پڑھا کریں گے۔ فرمایا خدا تعالیٰ بھی بڑی نعمت اور بزرگی عطا فرمائیں گے، جس قدر تمہاری طرف سے اس کلمہ کی کثرت ہوگی، اتنی ہی خدا تعالیٰ کی جانب سے نعمت و بزرگی بڑھتی جائے گی۔

اب میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو دینِ محمدی و مذہب اسلام اور کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقت و خوبی کا پورا انکشاف ہوگیا ہوگا، دعا فرمائیے توفیقِ دوامِ ایمان ہو مدامِ طاعت ہو، مسلمان ہمت و سعی سے کام لیں۔ ہمت و سعی سے کام لینے پر حق تعالیٰ کا وعدۂ توفیق ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مختصر تعارف

مجلس صیانۃ المسلمین خالص اسلامی تعلیمات کے ایسے اصلاحی پروگرام کا نام ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے انفرادی و اجتماعی کامل اصلاح ہو کر بہت جلد مسلمانوں کا معاشرہ اسلامی معاشرہ بن سکتا ہے ○ اس نظام کے ذریعے ہر فرد اعتقادات، عبادات، معاملات و اخلاق غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے ایک مثالی انسان بن جاتا ہے ○ معاشرے سے ہر برائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اخوۃ، مواسات، ایثار، غم خواری، ہمدردی اور اعتماد کا جذبہ ہر فرد میں بیدار ہو جاتا ہے اس نظام کے ذریعے دین کی سچی اور صحیح معلومات حاصل ہوتی ہیں ○ اجتماعی طور پر اس نظام کو اپنانے سے بہت جلد معاشرہ سدھر سکتا ہے ———— اس نظام کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس کو

اسلام کے عظیم مفکر

حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ نے

اپنے نورِ بصیرت سے مسلمانوں کے لیے تجویز فرما کر ۱۹۳۰ء بمطابق ۱۳۴۹ھ میں جاری فرمایا، اور تقسیم ملک کے بعد حضرت حکیم الامۃ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا شاہ حافظ جلیل احمد شروانی رحمۃ اللہ کے ہاتھوں میں اس کی نشأۃ ثانیہ زیر سرپرستی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور ہوئی جس سے اب تک ہزاروں افراد وابستہ ہوئے اور اب بفضلہ تعالیٰ یہ مجلس حضرت تھانوی کے خلفاء اور ان کے متوسلین کی زیر سرپرستی مصروف عمل ہے۔